سلسلۂ کتب درسیۂ شعبۂ تالیف و تصنیف نمبر ۲

اسلام کی ساتویں کتاب

جماعت ہفتم کے لیے

مرتبۂ

مجلس شعبۂ دینیات

ناشر

سید عبد القادر اینڈ سنس

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

اسلام کی ساتویں کتاب

تمہید

یہ کتاب مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مشہور فاضل حضرت مولانا سید عبدالقدوس صاحب ہاشمی ندوی کی خصوصی نگرانی میں خاص طور پر مرتب کرائی گئی ہے تا کہ بچوں کو تدریجی طور پر اسلام کے اصول اور اس کی تعلیمات سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

کتاب کی ترتیب میں بچوں کی دماغی صلاحیت اور اُن کے طریقۂ استدلال کا گہرا مطالعہ شامل ہے۔ نفسیات کے علمی اصول کو پیش نظر رکھ کر مضامین نثر و نظم اور دلائل شامل کتاب کیے گئے ہیں۔

ناشر

حمد

ہے ہر شے سے اعلیٰ تری ذاتِ پاک
بیاں ہم سے کیونکر ہوں تیرے صفات

کیا اِک اشارے سے پیدا جہاں
یہ خشکی، تری، یہ زمین آسماں

یہ پھل پھول یہ باغ پھلواریاں
ترے دستِ قدرت کی گلکاریاں

عطا کی ہے تو نے ہمیں زندگی
ہے زیبا کریں ہم تری بندگی

تری نعمتوں کا نہیں کچھ شمار
تو ہے کل جہانوں کا پروردگار

بُرائی سے بچنے کی توفیق دے
بھلے کام کرنے کی توفیق دے

ہمیں علم وہ دے، جو ہو سودمند
کرے دین و دُنیا میں جو سربلند

ہمیں نوجوان مردِ میداں بنا
دبے جن سے باطل وہ اِنساں بنا

جہالت کے بندوں سے آزاد کر
غلامی کے پھندوں سے آزاد کر

بنا اپنے بندوں کا خدمت گزار
کریں ملک و ملت پہ تن من نثار

ترے نام کا بول بالا کریں
مٹائیں اندھیرا اُجالا کریں

(عبدالقادر صاحب سیالکوٹی)

نعت

سُورج ایک عرب میں چمکا پھیل گیا ہر سمت اُجالا
باغِ جہاں کی رنگت بدلی دُنیا بھر کی حالت بدلی
رحمتِ باری جوش میں آئی خلقت ساری ہوش میں آئی
نیند کے ماتے جاگے سارے پاپ جہاں سے بھاگے سارے
سُورج کون، محمد پیارا دونوں جہاں کی آنکھ کا تارا
ذاتِ گرامی فخرِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم
فیض کا چشمہ جاری اُن سے ظاہر قدرت باری اُن سے
سیدھی راہ دِکھانے والے اچھی بات سکھانے والے
نیکی کا دربار سجایا اَمن و امان کا ساز بجایا
سب کو بنایا بھائی بھائی کیسی چھٹائی کیسی بڑائی
ملت ایک نئی کی پیدا شان خدا کی جس سے ہویدا
کام سب اچھے کرنے والی صرف خدا سے ڈرنے والی
یوں ہونے کو تھے وہ مسلماں لیکن کہلاتے تھے مسلماں
دِل میں بسی ہر اک کے بھلائی ساری خدائی کے شیدائی
سب سے خلق نرالا اُن کا بول جہاں میں بالا اُن کا

(شفیع الدین صاحب نیرا)

وعبادالرحمٰن ــــــــــــــــــ قالوا سلٰماً

بندگی کا مقام وہ اعلیٰ ترین مقام ہے کہ انسان اُسے حاصل کرکے دُنیا بھر کی سعادتیں اور برکتیں حاصل کرسکتا ہے۔ اس مقام یا مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر وہ تمام صفتیں اور خصوصیتیں پیدا کرلے جو ایک فرض شناس غلام میں ہونی چاہئیں۔ اور یہ بات سمجھدار بچے اور لڑکے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جس خدا نے ساری دُنیا کو پیدا کیا ہو اور جس سے بڑھکر قدرت و حکمت اور اختیار والا کوئی نہ ہو اُس سے بڑا آقا اور مالک کون ہوسکتا ہے۔ بڑے سے بڑا بادشاہ اور امیر اُس کے دروازہ کا ادنیٰ غلام اور فقیر ہے۔ اُس کا حکم نہ ہوتا تو نہ ہم تم ہوتے نہ یہ ساری کائنات ہوتی اِس لئے سب سے پہلے وہی اس لائق ہے کہ اُس کی عبادت یا بندگی کی جائے اور اِس طرح کی جائے کہ بندگی کا حق ادا ہوجائے۔

اس سے پہلے جو حالات تم نے دینیات کی کتابوں میں پڑھے ہوں گے اُن میں یہ بھی ضرور پڑھا ہوگا کہ ہمارے سرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خدا کا پیغام پہنچاتے وقت اپنی قوم کو خدا کی بندگی ہی کا سبق پڑھایا تھا۔ اِس عقل و حکمت سے بھرے ہوئے سبق کا مضمون ہندوستانی مسلمانوں کے پہلے قومی شاعر مولانا حالی نے اِس طرح نظم کیا ہے۔

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق زبان اور دِل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ
اُسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبّرا ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

سچ پوچھو تو اسی بندگی کا اعلیٰ مرتبہ توحید ہے۔ یعنی خدا کو دِل سے، زبان سے اور اعمال و افعال سے ہر حیثیت سے ایک جاننا اور ماننا گویا بندگی کا دوسرا نام ہے۔ خدا کے جو ایمان دار اور سچے بندے اِس راز کو سمجھتے ہیں وہ کسی حال میں خدا کو نہیں بھولتے اور خدا کے سوا کسی کا رُعب مانتے ہیں نہ کسی کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اِسی لئے

خدا کی جناب میں اُن کا درجہ بھی اِتنا بلند ہو جاتا ہے کہ اُن کے سامنے کسی کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ بڑے بڑے بادشاہ اور شہنشاہ اُن کا اِحترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور دِل سے اُن کی عزت کرتے ہیں۔

مسلمان جب تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے اِس اِرشاد پر عمل کرتے رہے اور دِل و جان سے خُدا کے بندے بنے رہے ساری دُنیا پر اُن کی حکومت رہی۔ اُس کا بڑا سبب یہی ہے کہ جب بندہ شروع سے آخر تک اپنے آپ کو آقا کے حوالہ کر دیتا بلکہ محض اسی کا ہو رہتا ہے تو آقا کی مروت بھی اُس کا تقاضا نہیں کرتی کہ بندہ کو بیگانہ سمجھے۔ یہ تو دُنیا کے دن رات کے واقعات ہیں جو ہم ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ جب دُنیا والوں کا یہ حال ہے تو اُن کے پیدا کرنے والے کی شفقت اور قدر دانی کا کیا حال ہوگا جس سے بڑھکر کوئی محبت کرنے والا ہے نہ بندے کی بندگی کو چاہنے اور پیار کرنے والا جبھی تو جو خُدا کا ہو رہتا ہے خدا اُس کا ہو رہتا ہے اور جس کا خدا ہو رہے اُس کی عزّت و شان کا کیا کہنا۔ ایسی حالت میں وہ اگر اپنی قسمت پر ناز کرے اور خوشی کے عالم میں یہ کہہ اُٹھے ؎

ہم اُس کے ہیں ہمارا پُوچھنا کیا

تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

بندگی کِس کو پیاری نہیں۔ اپنے گھر سے لے کر سرکار دربار تک

کے حالات پر نظر کر جاؤ۔ سب جگہ یہی نظر آئے گا کہ اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق جو اس بندگی کا حق جتنا ادا کرتا ہے اتنا ہی عزت اور شفقت کا سزاوار ہوتا ہے۔ اولاد اگر ماں باپ کی اطاعت اور بندگی کا فرض ادا کرتی ہے تو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا بن جاتی ہے۔ شاگرد اگر اُستاد کی مرضی پر چلتا ہے اور اس کی خدمت میں کوتاہی نہیں کرتا تو اُستاد اس سے سب سے زیادہ محبت کرتا اور توجہ سے پیش آتا ہے نوکر اگر اپنے مالک کی خدمت میں سرگرم رہتا ہے تو وہ اسے انعام واکرام سے سرفراز کرتا رہتا ہے اور دفتر کا ملازم اگر اپنے افسروں کے اشارہ پر چلتا اور ان کے حکموں کی دل سے تعمیل کرتا ہے تو اس کی روز بروز ترقی ہوتی رہتی ہے اور ایک دن وہ بھی ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

(جس نے خدمت کی وہ مخدوم یعنی خدمت لینے والا بن گیا)

کے قاعدہ سے افسری کے مرتبہ پر جا پہنچتا ہے۔ تم نے ایسے کتنے ہی لوگوں کے حالات سنے ہوں گے۔ جنھوں نے اپنی خدمت اور افسروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور قابلیت کی وجہ سے بڑے بڑے عہدے اور منصب حاصل کئے اور بہت نیکنام اور اقبال مند ثابت ہوئے۔

جب دنیا میں دن رات یہ ہوتا رہتا ہے اور خدمت و بندگی کرنے والے اپنی اپنی اطاعت کا پھل پاتے ہیں تو خدا جیسے کریم کی ذرہ نواز درگاہ میں اس کے بندوں کا حق بندگی کیونکر رائگاں ہوسکتا ہے

شیخ سعدی کا نام تو تم نے سُنا ہی ہوگا۔ یہ فارسی زبان کے بڑے اچھے اور مشہور شاعر تھے اور اُنھوں نے وعظ و نصیحت کی بڑی اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ اِن کتابوں میں گلستاں اور بوستاں نام کی دو کتابیں بہت مقبول ہوئی ہیں جو مکتبوں اور مدرسوں میں عام طور سے فارسی پڑھنے والوں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ اُنھوں نے بوستاں میں ایک قصّہ لکھا ہے کہ میں نے ایک شخص کو ایک میدان میں تیندوے پر سوار آتے ہوئے دیکھا تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اُس شخص نے مجھے حیرت میں دیکھکر کہا۔ "سعدی تم نے جو کچھ دیکھا ہے اُس سے حیران نہ ہو اگر تم بھی خدا کے حکم سے مُنہ نہ موڑو تو تمھارے حکم سے بھی کوئی سرتابی نہ کرے گا۔ اُن کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

(یعنی تم بھی خدا کے حکم سے سرتابی نہ کرو۔ تاکہ تمھارے حکم سے کوئی اِنکار نہ کرے)

ظاہر میں تم اسے شاعرانہ بات سمجھوگے جسے لوگ زیادہ توجہ کے قابل نہیں سمجھتے مگر نہیں یہ بات ایسی نہیں۔ اس کی سچائی میں کسی شُبہ کی گنجائش نہیں۔ تاریخ کی کتابیں پڑھو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ سچ مچ ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ خُدا کے نیک اور سچّے بندوں کا حکم صرف جانداروں ہی پر نہیں بے جان چیزوں پر بھی چلا ہے۔ مثال کے طور پر ہم دو واقعے یہاں لکھتے ہیں۔

دریائے نیل پر حکومت مصر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے

مُبارک زمانہ میں فتح ہوا تھا۔ جس سال مسلمانوں کا قبضہ ہوا اس کے دوسرے سال وہاں سخت قحط سالی ہوئی۔ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ چونکہ مصر کی زراعت کا سارا کام دریائے نیل کی طغیانی پر موقوف تھا اِسلئے مصر والوں نے پہلے رواج کے مُطابق ایک خوبصورت لڑکی کو زیور وغیرہ پہنا کر تیار کیا کہ اُسے دریائے نیل پر قربان کرکے اپنے بیہودہ خیال کے مُطابق دریا کو راضی کریں تاکہ طغیانی آئے اور قحط دُور ہو مگر مصر کے بادشاہ نے انھیں اِس بات سے رُوکا اور حضرت عمر کو اِس واقعہ کی خبر بھیجی۔ آپ نے بادشاہ کی اس بات پر خُوشی ظاہر فرمائی اور ساتھ ہی ایک رقعہ لکھا ہوا بھیجکر حکم دیا کہ اُسے دریا میں ڈال دو رقعہ پر لکھا تھا "یہ رقعہ امیر المومنین کی طرف سے ہے۔ اَے دریا اگر تو خدا کے حکم سے طُغیانی پر آتا تھا تو اب بھی آجا ورنہ بند ہو جا" رقعہ دریا میں ڈالدیا گیا اور دریا میں طغیانی آئی اور اِتنی آئی کہ لوگوں نے اپنے کھیت سیراب کر لیے۔

موذی جانوروں کو ہدایت۔ اِسی طرح جب پہلے پہل مسلمان افریقہ پہنچے تو جہاں اُن کا کاروان یا قافلہ ٹھہرا تھا اُس کے آس پاس سب طرف گھنے جنگل دَرندوں اور سانپ بچھوؤں سے بھرے پڑے تھے۔ مسلمانوں کے اِس لشکر میں خدا کے بڑے نیک بندے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابی موجود تھے۔ حضرت عقبہ بن نافع اُن کے سردار تھے۔ اُنھوں نے

سب طرف منادی کرادی کہ مسلمانوں کے سردار کا حکم ہے کہ سب درندے اور موذی جانور اِس جگہ سے کہیں اور چلے جائیں۔ یہاں مسلمان رہیں گے۔ اِس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور بہت جلد وہ حصہ تمام موذی جانوروں سے خالی ہوگیا۔ بعد میں اُسی جگہ ایک شہر بس گیا جس کا نام قیروان رکھا گیا جو لفظ کاروان کی یاد دلاتا ہے اور آج بھی موجود ہے۔

یہاں یہ دو واقعے صرف اِس لیے لکھ دیئے گئے کہ تم ہمارے پچھلے بیان کا مطلب اچھی طرح سمجھ لو ورنہ ایسے واقعات کی مسلمانوں کی تاریخ میں کمی نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ مسلمانوں کا بہت بڑی مدت تک دُنیا کے بہت بڑے حصہ پر بادشاہی کرنا خود اِس بات کا کافی ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے خدا کی بندگی کی تو خدا نے اُن کو اِسکا کتنا بڑا انعام دیا۔

بندگی کِس لئے ضروری ہے

اَب یہاں اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ بندگی کس لئے ضروری ہے۔ بندگی یا عبادت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم جس کے بندے ہیں اُس نے یعنی خدا نے ہم کو بندگی کے لیے پیدا کیا اور اُسکا حکم دیا ہے لہٰذا ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اُس حکم کو بجالائیں اور نہایت پابندی کے ساتھ اس کی ایک ایک ہدایت پر عمل کر کے دین دُنیا کی بھلائی اور خوش نصیبی حاصل کریں۔ جس طرح دُنیا میں آقا کے حکم کی تعمیل نوکر اور غلام پر واجب ہوتی ہے اُسی طرح سب سے

بڑے آقا یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل اُس کے پیدا کئے ہوئے تمام اِنسانوں پر واجب ہے۔ ہمارے لیے یہی وجہ بہت کافی ہے اور ہر حیثیت سے اِس پر عمل کرنا فرض ہے کہ ہمیں خدا نے بندگی کرنے کا حکم دیا ہے اِس سے زیادہ اور کس وجہ کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اِس حکم پر سر نہ جھکائیں یا اس سے منھ موڑیں تو اُس کی سخت سے سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

خدا نے عبادت یا بندگی کرنے کا حکم اپنی پیاری کتاب قرآن مجید میں جا بجا دیا ہے اور رہ رہ کر اُس کی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں چند آیتوں کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

(۱) لوگو! اپنے اِس پالنے والے کی عبادت اور بندگی کرو جس نے تمھیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور ایسے خدا کی بندگی کرو جس نے تمھارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔ آسمان سے پانی اتارا اور اس سے پھلوں کو اگایا جو تمھاری روزی ہیں۔

(۲) بیشک جن لوگوں نے نافرمانی یا کفر اختیار کیا اور کفر ہی میں مرے اُنھی لوگوں پر خدا، اُس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ ان لوگوں پر عذاب میں کمی نہ ہوگی اور نہ اُنھیں ڈھیل دی جائے گی۔

(۳) میں نے اِنسانوں اور جنوں کو صرف اِس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اِن آیتوں کے علاوہ ہمیں حکم ہے کہ روزانہ پانچ وقت نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھا کریں جس میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ آتے ہیں یعنی اے خدا ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ پھر ہر نماز کے دوسرے اور آخری قعدہ میں تشہد پڑھتے ہیں جس میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہنا پڑتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔

اِس سے تم سمجھ گئے ہوگے کہ بندگی کا مقام کتنا اہم اور ضروری ہے جس کا ذکر رسالت کے مقام سے پہلے آتا ہے یعنی بندگی کا درجہ رسول ہونے کے درجہ سے پہلے ہے۔ اِسلام نے اِس بات کو سب سے پہلے سمجھایا اور اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا رسول اور نبی ہو اس کے بندہ ہونے کا اِقرار پہلے فرض ہے۔ دوسری قومیں شیطان کے بھکانے میں اِسی لئے آگئیں کہ اُنھوں نے اپنے نبیوں اور پیغمبروں کے مقامِ بندگی کو بھلا دیا اور اُنھیں کچھ کا کچھ بنا بیٹھے۔ جیسے یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ حقیقت میں یہ بڑی گمراہی ہے۔ خدا نے اس سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا اور اُن کے پیارے رسول نے اُنھیں اچھی طرح سمجھا دیا کہ ؎

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم ۔۔۔ نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم ۔۔۔ کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

اس موقع پر اتنا سمجھ لینا اور ضروری ہے کہ اگر ہم دل سے بندگی کریں گے تو سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے۔ خدا کی نظروں میں سرخرو ہونگے ہماری دنیا اور آخرت سدھر جائے گی اور ان سب انعامات کے مستحق ہوں گے جن کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ اور اگر شامت اعمال سے ہم نے بندگی سے منہ موڑا تو ہمارا بھی وہی حال ہوگا جو ہم دن رات نافرمان اور سرکش لوگوں کا دیکھتے رہتے ہیں۔ کہ ان کے لئے کہیں ٹھکانا نہیں رہتا۔ زمین تنگ ہو جاتی ہے اور زندگی دوبھر۔ اور آخرت کا دردناک عذاب الگ حصہ میں آتا ہے۔
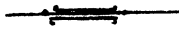
مسلمانوں کے اخلاق

خصلتان لا تجتمعان فی مومن البخل و سوء الخلق

(مومن میں دو عادتیں کبھی اکٹھی نہیں ہوتیں ایک کنجوسی دوسرے بدخلقی)

اخلاق خلق کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عادت اور مسلمان خدا کے حکم کی اطاعت کرنے والے کو کہتے ہیں اس لئے مسلمان کے اخلاق بالکل وہی ہوں گے جن کے اختیار کرنے کا خدا اور رسول نے حکم دیا ہے یوں تو ان اخلاق کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور ان کی پوری تفصیل کی جائے تو ہمیں بھی کافی وقت صرف کرنا اور کتاب کو بڑھانا پڑے گا جسے تم شائد ابھی برداشت نہ کرسکو گے اس لئے ہم اس مضمون میں اختصار سے کام لے کر مسلمان کے اخلاق کا خاکہ پیش کریں گے۔ اگر تم اس پر دل سے توجہ کرو اور عمل کرنے کی کوشش کرو تو بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہو۔

مسلمان کی ہدایت اور اس کے تمام دینی اور دنیوی ضابطوں کا سب سے بڑا سرچشمہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال و افعال کا مجموعہ یعنی حدیث ہے۔ جب مسلمان ہوش و حواس اور سوجھ بوجھ کا ہو تو اس کا فرض ہے کہ اِن دونوں سرچشموں سے ہدایت کی پیاس بجھائے یعنی اُن کے احکام معلوم کر کے ان پر عمل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اخلاق کی تربیت کے لیے کئی جگہ صاف صاف ہدایت فرمائی ہے کہ تمھارے لیے تمھارے رسول کی زندگی سب سے بڑا اور مکمل نمونہ ہے۔

ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور تمھارے لئے رسول خدا (کی زندگی) میں اچھا نمونہ ہے اور یہ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تمھیں رسول کی پیروی کرنی چاہیئے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ (اے محمد کہدو کہ اگر تمھیں اللہ سے محبت
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ہے تو میری (یعنی رسول کی) پیروی کرو (اس طرح) اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اخلاق ایک مسلمان کے اخلاق کا بہترین آئینہ ہیں جو قرآنی ہدایات و اخلاق کا نہایت کامل نمونہ تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں اور ام المؤمنین یعنی مسلمانوں کی ماں تھیں فرماتی ہیں کہ آپ کے اخلاق سرتاپا قرآن کے اخلاق تھے۔ اگر ہم اپنے ہر قول و فعل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر چلیں تو اس سے زیادہ خوش نصیبی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔

صرف اِتنی ہی کوشش ہماری ہر قسم کی ترقی اور دُنیا و آخرت کی بھلائی اور کامیابی کا ذریعہ بن جائے گی۔ لیکن اگر اُس طریقہ کو ہم پوری طرح عمل میں لانے سے قاصر رہیں تو کم از کم مقدور بھر آنحضرتؐ کے اَخلاق پر عمل کرنے کا حوصلہ اور ہمت دِل میں ضرور رکھیں۔

اِس سلسلہ میں سب سے پہلی بات جو مسلمان کا سب سے بڑا فرض ہے یہ ہے کہ وہ خُدا کی عظمت اور اُس کے حکموں کا اِحترام کسی حال میں نہ بھُولے اور اُس کی پُوری کوشش کرے کہ خدا نے مسلمانوں کو جن حکموں اور ضابطوں کا پابند کیا ہے ان کی دِل سے پابندی کرے اگر وہ اس میں کامیاب ہوگیا تو گویا اَخلاق اور وعظ و نصیحت کے بڑے مرحلے خود بخود طے ہو گئے۔ اِس کے بعد خدا کے رسول کی محبت میں زیادہ سے زیادہ سرگرم اور جوشیلا بننے کی کوشش کرے کیونکہ جس کے دِل میں رسول کی محبت جتنی زیادہ ہوگی اُتنا ہی اُس کا اِیمان مضبوط اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دِلمیں ماں باپ اَولاد اور مال و دولت وغیرہ سب سے زیادہ نہ ہو ایمان کامِل نہیں ہوتا۔

یہاں تک تو مسلمان کے وہ اَخلاق ہیں جن کو اِختیار کرنا اُس کا مذہبی فرض ہے اور جن کو اپنا دستور العمل بنا کر ہی ایک مسلمان مسلمان ہو سکتا ہے اِس کے بعد ان اَخلاق کا ذکر کیا جاتا ہے جو مُسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ برتنا چاہئیں خواہ وہ گھر کے ہوں یا باہر کے۔

چونکہ والدین ہمارے پیدا ہونے کا ظاہری ذریعہ ہیں اور دُنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد ہمارا سب سے پہلا سابقہ اُنھیں سے پڑتا ہے اس لیے معاملات میں سب سے پہلا سبق اُنھیں کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے اُن کا احسان ماننا اور دِل سے اُن کے حق ادا کرنا ہمارا سب سے بڑا فرض ہوگا۔

والدین کے ساتھ نیک سُلوک کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے عین اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ دیا ہے۔

وقضی ربك الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً۔ — اور تیرے رَب نے حکم دیا ہے کہ تم اِسکے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور والدین کے ساتھ اِحسان کرو۔

اِس کے علاوہ کئی اور موقعوں پر بھی قرآن شریف میں والدین کے خصوصاً ماں کے حقوق جتائے ہیں اور اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ من رضی عنہٗ والداہ فانا عنہ راض ہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے جس شخص سے اُس کے ماں باپ راضی اور خُوش ہوتے ہیں اُس سے میں بھی خوش ہوتا ہوں۔

اِنصاف کی بات بھی یہی ہے کہ والدین سے زیادہ ہمارا محسن اور ہم پر شفقت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم نے اُنھیں کا حق نہ پہچانا اور اُن کے ساتھ وفا نہ کی تو کِس کے ساتھ کریں گے۔ اِسی لیے

عقلمندوں کا قول ہے "جس شخص کے اخلاق و عادات پرکھنا ہوں پہلے اس کا اپنے گھر والوں اور ماں باپ کے ساتھ سلوک معلوم کرلو۔ اگر وہ انھیں کے ساتھ اچھا ثابت نہ ہوا تو اُس سے کسی کو وفا کی اُمیّد نہ رکھنی چاہیے۔

اِسی سلسلے میں گھر کے دوسرے بزرگ اور بھائی بہن بیوی بچے رشتہ دار نوکر چاکر سب آجاتے ہیں۔ اِن سب کے ساتھ ایک مسلمان کا سلوک ہر ایک کے مرتبہ کے لحاظ سے اچھا اور اِنسانیت کا ہونا چاہیے۔ صلۂ رحم یعنی قرابت اور رشتہ داری کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے کیونکہ حدیث شریف میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ لڑنے جھگڑنے فساد اور شرارت کی باتیں کرنے سے دُور رہنا چاہیے۔ اِس طرح گھر میں اُس کے اَخلاق دُرست ہوجائیں گے تو باہر کے لوگوں کے ساتھ بھی یقیناً اُس کے عادات واَخلاق اچھے ثابت ہوں گے اور اَیسے شخص کو دُنیا سر آنکھوں پر جگہ دیگی

ہمسایہ کے ساتھ برتاؤ۔ گھر والوں کے بعد پڑوس والوں کا حق ہے کہ اُن کے ساتھ اَخلاق اور نرمی کا سلوک کیا جائے اور جو اِنسانیت اور بھلائی کی جاسکتی ہو اُس سے دریغ نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

خیرا کم خیر لجارہٖ — تم میں سب سے اچھا وہ ہو جو اپنے پڑوسی کے ساتھ اَچھا ہو۔

اور ایک جگہ حکم ہے۔

لا یشبع المومن دون جارہ مسلمان اپنے ہمسایہ کو بھوکا چھوڑکر پیٹ نہیں بھر سکتا۔

اِس مضمون کو مولانا ظفر علی خاں نے یُوں نظم کیا ہے ۔ ؎

مسلمانوں کے مذہب میں یہ جائز ہو نہیں سکتا
کہ خود تو پیٹ بھر کر کھائیں ہمسایہ رہے بھوکا

سچ پوچھو تو پڑوس کا معاملہ ہے بھی بڑا نازک ۔ جس طرح سفر کرنے سے پہلے سفر کا ساتھی اچھا تلاش کرنا چاہیے ۔ اسی طرح مکان لینے سے پہلے پڑوسی اچھا دیکھ لیتے ہیں ۔ اگر پڑوسی اچھا ہوا تو بڑی عافیت رہتی ہے ورنہ دن رات کی جھک جھک بک بک سے زندگی تلخ ہو جاتی ہے ۔ کوشش کرو کہ تم اپنے پڑوس والوں کے لئے اچھے ثابت ہو

اُستاد کا حق

ماں باپ کے حق کے بعد اُستاد اور معلم کا حق بھی کسی طرح فراموش کرنے کے قابل نہیں اس کے ساتھ بھی مسلمان کا اَخلاق بہت اچھا اور اَدب واِحترام سے آراستہ ہونا چاہیے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ ۔

ابوك ثلاثة مِن ولدك تمھارے باپ تین قسم کے ہیں ایک
ومِن زوجكَ ومن علمك وہ جو پیدائش کا باعث ہوئے دوسرے
وخیر الآباء من علمكَ وہ جنھوں نے تمھیں داماد بنایا تیسرے
وہ جنھوں نے علم سکھایا اور اُن میں سب سے اچھا وہ ہے جس نے علم سکھایا ۔

عام مسلمان کے ساتھ مُعاملہ

اصل میں مسلمان خواہ کسی جگہ کے ہوں، ہندوستانی ہوں یا غیر

ہندوستانی عربی ہوں یا ایرانی سب ایک ہی روحانی رشتے سے جکڑے ہوئے ہیں۔ خدا رسول نے اُنھیں بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ اُن کے باہم مِلنے اور متحد رہنے کے لیے صرف ان کا مسلمان ہونا کافی ہے۔ اِسی لیے جب کوئی مسلمان کسی دور دراز ملک میں جا پہنچتا ہے جہاں اُس کے عزیز قریب اور خاندان یا قبیلے کے لوگ نہیں ہوتے مگر مذہبی یا دینی بھائی موجود ہوتے ہیں تو وہ اُن میں پہنچکر اپنے آپ کو ہرگز اجنبی محسوس نہیں کرتا۔ یہ اُنھیں اپنا سمجھتا ہے اور وہ اسے اپنے عزیز کی نظر سے دیکھتے اور اُسکی خاطرداری اور دلجوئی کو اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔

قرآن شریف میں مسلمانوں کو اِس رشتہ پر جا بجا توجہ دلائی گئی ہے اور ایک جگہ صاف صاف فرمایا ہے۔

اِنما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم — سوائے اس کے نہیں کہ مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اِس لئے تم اپنے بھائیوں سے مِل جل کر رہو۔

حدیث شریف بھی اِس برادری کا لحاظ رکھنے کی بڑی تاکید آئی ہے

لایومن احدکم حتّٰی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ — تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہوتا جب

یا

المسلم من المسلمون من لسانہ و یدہ۔ — مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اِسی لیے مسلمان کو گالی دینا بدکاری قرار دیا ہے اور کسی مسلمان کا ناحق خون کرنا کفر ہے۔

سباب المسلم فسوق مُسلمان کو گالی دینا فِسق ہے (بدکاری)
وقتالہ کفر۔ اور اُسے مار ڈالنا کفر ہے۔

مسلمان کے عام اَخلاق

اندیشہ ہے کہ مضمون طویل ہو جائے گا اِسلیے مجبوراً ہم علیٰحدہ علیٰحدہ ہر عنوان پر لکھنے کے بجائے ایک ہی جگہ مسلمان کے باقی اَخلاق سرسری طور پر درج کیے دیتے ہیں جس کو پڑھکر تم اچھی طرح اِس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہو کہ مسلمان کے اَخلاق وعادات کس قسم کے ہونا چاہئیں۔

ایک مسلمان کی زندگی نہایت سادہ، صاف ستھری اور پاکیزہ ہونی چاہیے۔ اسے چوری، ڈاکہ، نفاق، شراب خواری، غیبت اور شرارت وغیرہ بری باتوں سے بہت دور رہنا چاہیے۔ اُس کے دل میں خدا رسُول کا خوف اور محبت اِتنی ہونی چاہیے کہ کسی حال میں اُن کی حمایت سے جی نہ چرائے اور وقت پڑے تو اُن پر جان تک قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔

مسلمان کو چاہیے کہ مذہبی حکموں کی پابندی کے ساتھ ساتھ اپنے ظاہر اور باطن کو صاف رکھیں یعنی بدن کی طہارت، اور صفائی کے ساتھ دل کو بھی بُرے خیالوں سے دُور رکھیں۔ دِل کے دلیر اور ہمت کے قوی ہونا چاہئیں۔ کمزوروں اور ضعیفوں کی مدد کو اپنا فرض سمجھیں۔ حق کی حمایت میں کبھی جی نہ چرائیں۔ خیال رکھیں کہ عہد وپیمان کی پابندی اور

راستبازی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

آپس میں اِتحاد و اِتفاق کا بہت خیال نہ رکھنا چاہیے کہ یہ صفت دنیا میں ترقی کا سب سے بڑا گر ہے۔ ہمیشہ آپس کے نفاق اور لڑائی جھگڑے سے دُور بھاگنا چاہیے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہمارا رُعب ہیبت اور وقار رخصت ہو جائے گا اور ہم ساری دُنیا کی نظروں سے گر جائیں گے۔

ہمیشہ ہمیں اپنے آپس ہی میں نہیں بلکہ ہر اِنسان کے ساتھ شفقت اور اِنسانیت کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور جب کبھی جھگڑا پڑے تو خواہ کسی قوم کے آدمی سے ہو اِنصاف کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ مساوات مسلمان کا سب نُمایاں شعار رہے اُس میں حسب، نسب، ذات، پات رتبہ اور درجہ کسی کی تمیز نہیں۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو بالکل اپنا ہی جیسا سمجھے اور اس کے ساتھ برتاؤ اور سُلوک میں کوئی فرق نہ رکھے۔ مسلمان کو بدمزاجی یا سوء خلق اور کنجوسی سے بچنا چاہیے۔ اسراف یعنی فضول خرچی سے بھی دور رہنا چاہیئے کہ یہ بھی بڑی خرابیوں کی جڑ ہے اور آج کل مسلمان خصوصیت سے اِس مرض میں مبتلا ہیں۔ فضول خرچی غیر ضروری طور پر خرچ کرنے کو کہتے ہیں جس کے اندر ہمارے تمام بُرے اور فضول اخراجات شامل ہیں۔ جیسے فضول سیر تماشے سینما، تھیٹر وغیرہ دیکھکر روپیہ تباہ کرنا اور حقداروں کے حق مارنا یا اپنے لباس وغیرہ پر ضرورت سے زیادہ بناؤ سنگار کی وجہ سے صرف کرنا یہ سب باتیں اِسلامی اَخلاق سے بہت

بعید ہیں۔ ایک مسلمان کو جہانتک ممکن ہو نہایت سادگی اور مستعدی و چستی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے اور ہمیشہ اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ مہربانی اور میل محبت کا برتاؤ رکھنا چاہیے۔

جب مسلمان اِن صفات کو اپنا طریقہ یا شعار بنائیں گے تو دنیا میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کریں گے۔ انہی اخلاق سے مسلمان گنتی کے آدمیوں سے بڑھتے بڑھتے ساٹھ ستر کروڑ تک پہنچ گئے اور ساری دنیا میں اُن کے اخلاق کا سکہ چلنے لگا۔

جب تک مسلمانوں نے مسلمانوں کے سے اخلاق رکھے ہر ایک کے دل میں اُن کی عزت رہی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے ہمیشہ اپنی قوم کے حاکموں کے مقابلہ میں مسلمان حاکموں کے اَخلاق پر زیادہ بھروسہ کیا ہے اور ہم خود بھی دیکھتے آئے ہیں کہ ہندوستان میں بھی جب کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ نا اِنصافی یا بدخلقی اور ظلم زیادتی کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے یہ کہتا ہے "تم کیسے مسلمان ہو" گویا ایسے اَفعال کی توقع ایک غیر مسلم کو بھی مسلمان سے نہیں ہوتی۔ ہم پر افسوس ہے اگر اسپر بھی ہم اپنے روایتی اخلاق سے دَور بھاگیں اور انھیں اختیار کر کے صحیح مسلمان بنیں۔

جائز کمائی یا کسبِ حلال

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
مِمَّا كَسَبْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا

اَے ایمان والو اللہ کی راہ میں اپنی پاک کمائی کا مال خرچ کرو

دنیا عالمِ اَسباب کہلاتی ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اُس کا ایک نہ ایک سبب اور ذریعہ موجود ہوتا ہے۔ یہ خدا کا ازلی قانون اور ہمیشہ کا مقرر کیا ہوا دستور ہے کہ وہ جو کام چاہتا ہے اُس کے اَسباب پیدا کر دیتا ہے اِسی لئے اُس کو مُسَبِّبُ الاسباب کہتے ہیں یعنی اَسباب پیدا کرنے والا۔ خدا نے جب انسان کو پیدا کیا تو اُس کے پیٹ بھرنے اور ضرورتیں پوری کرنے کے سامان بھی پیدا کئے اور اُسے روزی کمانے کے طریقے سمجھائے۔

روزی حاصل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اُن میں ایک صورت یہ بھی ہے جو جانوروں میں رائج ہے یعنی جہاں جو کچھ ملا منہ مارا اور کھا گئے مگر انسان کو خدا نے عقل و تمیز اور بُرے بھلے کی سُوجھ بُوجھ عطا کی ہے اُسے جانوروں پر بلکہ تمام مخلوقات پر اِسی لیئے شرف و عزت حاصل ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی سمجھ سے کام لے کر برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ جانورونکی

سی زندگی بسر کرنا اُس کی شان اور فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اسی لیے جہاں اور بہت سی باتوں اور طور طریقوں میں اس کا راستہ حیوانوں سے الگ ہے اُس کے روزی یا خوراک مہیا کرنے کے قاعدے قرینے بھی خاص اور ایک انتظام کے ساتھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی ہدایت کے لیے ایک مکمل قانون یا شریعت قرآن مجید کی صورت میں نازل کی اور مسلمانوں کو اپنے برحق رسول کے طریقوں اور حکموں پر چلنے کی تاکید فرمائی تو اِس سلسلہ میں کمانے یا روزی پیدا کرنے کا ضروری مسئلہ بھی واضح کر دیا اور مختلف مواقع پر حلال اور حرام کمائی کا فرق بتا کر کسب حلال یا جائز کمائی کی خوبیاں اور کسب حرام یا ناجائز کمائی کی برائیاں اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں تاکہ لوگ اِن پاکیزہ ہدایتوں کی بدولت سمجھ سے کام لیں، روزی حاصل کرنے کے ناجائز طریقوں سے بچیں اور اپنی زندگی کو جہاں تک ممکن ہو خدا و رسول کے احکام کے مطابق پاکیزہ و پسندیدہ بنائیں۔

تم دن رات دیکھتے اور سنتے ہو کہ فلاں شخص نے پیٹ بھرنے کے لیے چوری کی، فلاں نے ڈاکہ ڈالا، وہ دغا بازی سے پیٹ بھرتا ہے اور یہ جعل و فریب سے۔ اُس کا گھر رشوت سے بھرا ہوا ہے۔ اُس کا ناحق اور چھینے ہوئے مال سے۔ اُس کے ساتھ یہ بھی سنتے ہو کہ اِس قسم کے طریقوں سے کمانا کسی بھلے آدمی کو پسند نہیں آتا۔ لوگ اِس طرح زندگی بسر کرنے والوں کو بُرا کہتے ہیں اور اُن کا ذکر نفرت سے کرتے ہیں۔ اِس کے علاوہ ایسے لوگ

اکثر قانون اور حکومت کے ملزم بن کر اپنے کیے کی سزا پاتے ہیں۔ انھیں طرح طرح کی مشقتیں اٹھانا اور عزّت و نیکنامی سے محروم ہونا پڑتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے بھلے آدمیوں کی فہرست سے خارج ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ اُن کو کوئی اچھی نظر سے دیکھتا ہے نہ اُن کی اولاد اور خاندان والوں کو۔ تم نے سنا ہوگا "ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے" یہی حال ایسے آدمی کی بدولت اُس کے گھر اور قوم یا قبیلہ والوں کا ہوتا ہے۔ انھی لوگوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو خدا کے حرام کیے ہوئے ذریعہ آمدنی کو اپنا ذریعہ معاش بناتے ہیں اور نہایت بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ سُود کا کاروبار کر کے نہ صرف اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں بلکہ دنیا میں بھی بڑی حد تک لعنت و نفرت کے مستحق بن جاتے ہیں۔ تم نے اکثر بعض لوگوں کا ذکر نفرت کے ساتھ ہوتے سنا ہوگا۔ لوگ اُنھیں سود خوار کہتے اور حقارت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اور حقیقت میں سود خواری ہے بھی ایسی ہی بری چیز جس کو خدا اور رسول نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اُس سے روزی کمانے والا اس سے زیادہ اور کس سلوک کا سزاوار ہوگا۔

ناجائز طریقوں سے کمایا ہوا پیسہ خدا کی نظر میں کس لیے ناپسند ہوتا ہے! اسی لیے کہ اس قسم کے سب طریقوں میں انصاف اور حق کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔ ایسی کمائی رکھنے والے ہمیشہ دوسروں کے حق مارنے اور اُسے روزی کمانے کا آسان ذریعہ سمجھ کر اپنے لیے دوزخ کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ اُن کے حق میں بُرا نکلتا ہے۔ ایسے پیسہ میں

کبھی برکت نہیں ہوتی۔ ظاہر میں تھوڑے دن کے لیے آدمی کا جی خوش رہتا ہے مگر بہت جلد اُسے اپنے بُرے اَفعال کا اِحساس ہونے لگتا ہے۔ زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے۔ پیسہ کے پَر لگ جاتے ہیں۔ بیماری دُکھی ہیں آہستہ آہستہ اُٹھ جاتا ہے یا چوری ہو جاتا ہے اور اگر اِن آفتوں سے بچ بھی گیا تو پیسہ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے اور موت کا فرشتہ آ دبوچتا ہے۔ پھر یہ مضمون صادق آتا ہے۔

سیٹھ جی کو فکر تھی اِک اِک کے دس دس کیجیے۔
موت آ پہنچی کہ حضرت جان واپس کیجیے

اَب یہی ناجائز کمائی جو طرح طرح کے ناجائز وسیلوں اور حیلوں سے اِکٹھا کی گئی تھی نا اہل اَولاد کے ہاتھوں میں پڑتی ہے اور وہ اسے نہایت ناقدری کے ساتھ گلچھروں میں اُڑا کر ٹھکانے لگا دیتی ہے۔ اِس اَنجام کو سُننے والے سُنتے ہیں اور ؎

مالِ حرام بُود. بجائے حرام رَفت
(حرام سے کمایا ہوا مال تھا حرام ہی میں ختم ہو گیا)

کہکر دوسروں کے لیے عبرت کا سامان مُہیا کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس آدمی میں ذرا بھی عقل اور خدا کا خوف ہوگا وہ ایسے تمام نکمّے اور بُرے ذریعوں سے روزی کمانے کو ایک لمحہ کے لیے بھی پسند نہ کرے گا۔ اُس کی ہمت اور حوصلہ ہرگز گوارا نہ کرے گا کہ ناجائز کمائی سے اپنی شرافت کو بٹا لگائے اور خدا کے عذاب کا مستحق بنے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو لوگ وقت اور محنت کی قدر و قیمت سے واقف ہیں وہ بھول کر بھی ایسی ناجائز راہوں پر نظر نہیں ڈالتے۔ انھیں ہمیشہ اچھے اور محنت سے کمائے ہوئے پیسہ ہی میں لطف آتا ہے اور اسی کو اپنے لیئے ہر قسم کی فلاح و بہبود کا سرمایہ سمجھتے ہیں۔ پھر خدا بھی انھیں ایسی برکت دیتا ہے کہ ناجائز وسیلوں سے کمانے والوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے برے ذریعوں سے روزی کمانے کی ممانعت یا برائی جن آیتوں میں فرمائی ہے ان کا ترجمہ یہ ہے۔

"لوگوں کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ مثلاً چوری، بد دیانتی، فریب، جوا اور سود وغیرہ کے ذریعے سے اور ان کو حاکموں کے پاس اس لیے نہ لے جاؤ تاکہ لوگوں کا کچھ مال گناہ کی بدولت کھاؤ۔ اور تم جانتے ہو۔"

"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر یعنی جھوٹ، دغا بازی، چوری، سود، رشوت اور جوئے وغیرہ ناجائز ذریعوں سے نہ کھاؤ۔"

"اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل اور ناحق طریقے سے نہ کھاؤ لیکن آپس کی رضامندی سے تجارت کے طور پر حاصل کر سکتے ہو۔"

"اور خدا نے سود کو حرام کیا ہے۔"

حدیث شریف میں ناجائز کمائی یعنی کسب حرام کی مذمت اِس طرح آئی ہے:

"جو جسم حرام سے پالا گیا ہو وہ جنت میں نہ جائے گا۔"

"بے شک اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (اللہ ان دونوں سے راضی ہو) فرماتے ہیں۔ "اگر تم نمازیں پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزے رکھتے رکھتے تانت کی طرح دُبلے ہو جاؤ تب بھی جب تک مال حرام سے نہ بچو تمھاری یہ عبادت قبول نہ ہوگی۔

اَب تک تم نے ناجائز کمائی کی تفصیل پڑھی جس کا بیان کرنا اِسلیے ضروری تھا کہ جب تک بُری باتیں سمجھ میں نہ آجائیں بھلی باتوں کا نقشہ ذہن میں نہیں آتا۔ اندھیرے کو دیکھکر ہی اُجالے کی قدر ہوتی ہے۔ آؤ اَب تمھیں کسب حلال کی وہ خوبیاں بتائیں جو خدا اور اُس کے رسُول نے بیان کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی پاک کمائی کا مال خرچ کرو۔"

"اے لوگو! زمین کی حلال اور پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو یعنی اُس کی راہ نہ اختیار کرو کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"پس جب جمعہ کی نماز ختم ہوجائے تو زمین پر منتشر ہوجاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی خرید و فروخت اور کاروبار تجارت وغیرہ میں معروف ہو۔"

"جو شخص پاک روزی کھائے اور میرے طریقہ پر چلے اور مخلوق کو اپنے شر سے محفوظ کرے وہ جنت میں جائے گا۔"

"جو شخص شام تک حلال روزی کی طلب میں تھک کر سو رہے وہ بخشدیا جائے گا۔"

"کسب حلال کا طلب کرنا (مذہبی فرائض ادا کرنے کے بعد) فرض ہے۔"

"حلال کا طلب کرنا (ثواب کے لحاظ سے) جہاد کی طرح ہے۔"

"سب سے پاکیزہ وہ مال ہے جو تم اپنے کسب سے حاصل کرو۔"

"جس نے حلال طریقہ سے، سوال سے باز رہنے اور ہمسایہ پر شفقت کرنے کے لیے دنیا کمائی وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس طرح ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

مولانا حالی نے آخری حدیث کا ترجمہ اپنی مسدس میں اس طرح نظم کیا ہے۔

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی — کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی

خبر تاکہ لو اس سے اپنی پرائی — نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی

طلب سے ہے دنیا کی گر یاں یہ نیت

تو چمکو گے واں ماہ کامل کی صورت

یقین ہے تم اِن آیتوں اور حدیثوں سے کسب حلال کی فضیلتیں اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے اب ضرورت ہے کہ اِس قسم کی کمائی کی مختلف صورتوں پر تھوڑی سی روشنی ڈال دی جائے تاکہ جب تم خود کھانے کمانے کے لایق ہو تو اپنی طبیعت کی مناسبت سے ان حلال ذریعوں میں سے کسی ایک کو اپنے لیے پسند کرو اور خدا کے فضل و کرم سے خیر و برکت کے امیدوار بنو۔

کسب حلال کی صورتیں

کسب حلال جن ذریعوں سے ممکن ہے ان میں بڑے اور مشہور ذریعے زراعت، تجارت، حرفت، محنت، مزدوری اور نوکری ہیں۔ انھیں اگر ایمانداری اور سچائی کے ساتھ کیا جائے تو خوب برکت ہوتی ہے اور آدمی بہت سی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اِن کے علاوہ جائز کمائی کے جو طریقے ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ سب کسی نہ کسی حیثیت سے انھیں کی قسم ہیں۔

روزی کمانے کے یہ ذریعے بیشتر خدا کے نیک اور مقبول بندوں یعنی پیغمبروں، صحابیوں اور بزرگوں کے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ تاریخ اور سیرت کی کتابیں ان کے حالات سے بھری پڑی ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سب بزرگوں نے ہمیشہ محنت و مشقت سے گاڑھے پسینہ کی کمائی کھائی ہے۔ کسی نے تجارت کا مشغلہ رکھا ہے۔ کوئی صناع و کاریگر ہوا ہے۔ کسی نے زراعت و کاشتکاری پر بسر کی ہے تو کوئی بکریاں چرا کر پیٹ پالتا رہا ہے۔ غرض محنت کر کے کھانے کو سب نے ترجیح دی۔ سب سے کم جس پیشہ پر بزرگوں نے توجہ کی ہے وہ ملازمت ہے۔ لیکن اِس کا یہ مطلب

نہیں کہ ملازمت حلال پیشوں کی فہرست سے خارج ہے۔ ملازمت بھی بے شبہ
جائز ذریعہ آمدنی ہے مگر دوسرے پیشوں کے مقابلہ میں اس کا درجہ کم ہے۔
آدمی اگر پوری فرض شناسی اور دیانت داری کے ساتھ ملازمت کرے
تو وہ بھی کسب حلال کے ثواب سے محروم نہیں رہ سکتا۔

تجارت خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے
راشدین اور بیشتر صحابیوں کا مرغوب پیشہ رہا ہے۔ جن کی تمام زندگی
تجارت ہی میں گزری۔ تجارت ہی سے پھولے پھلے اور لاکھوں روپیہ
کمایا۔ شریعت کی اِصطلاح میں تجارت کا نام ابتغائے فضل یعنی خدا کے
فضل کی تلاش ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی بدولت اِسلام کے جا بجا
پھیلنے میں بڑی مدد ملی اور بے شمار بھٹکے ہوئے لوگ راہ پر آگئے۔ تجارت
پیشہ قومیں ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہتی ہیں جیسا کہ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں۔
تجارت کرنے والا اگر نیک نیت اور راستباز ہو تو ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے
اور اُس کے اخلاق خراب نہیں ہونے پاتے۔ وہ ہمیشہ لوگوں سے اچھی
پیش آنے ہی کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے اِس لحاظ سے تجارت ایک اعلیٰ درجہ
کے اخلاقی معلم کی حیثیت رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
"راست باز تاجر قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے کے نیچے ہوگا۔"

زراعت بھی بڑی خیر و برکت کی چیز ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

کیمیا خواہی زراعت کن کہ خوش گفت آنکہ گفت
زرع ثلثانش زراست و ثلث باقی ہم زر است

یعنی اگر کیمیا کی تلاش ہے تو زراعت کرو کیونکہ کسی نے لفظ زرع (زراعت) کے متعلق یہ بات خوب کہی کہ اس کا دو تہائی سونا ہے اور باقی ایک تہائی بھی سونا ہے یعنی زرع (زراعت یا کھیتی باڑی) شروع سے آخر تک سونا ہی سونا ہے۔

یہ شاعرانہ خیال کچھ ایسا غلط بھی نہیں، کیونکہ زراعت میں خدا کا فضل ہو جائے تو ایک ایک دانہ سے سیکڑوں دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اور زراعت کرنے والا بے حساب نفع حاصل کرتا ہے۔

اس کے بعد ہنر اور اُجرت وغیرہ کا درجہ ہے یعنی لوہاری، نجاری، خیاطی، معماری اور محنت مزدوری یہ پیشے بھی بہت اچھے اور خیر و برکت والے ہیں۔ بزرگوں نے تجارت اور زراعت کے بعد اِن پیشوں کو بھی بہت اچھا سمجھا ہے اور ان میں عمریں گزار کر بڑے نام پائے ہیں۔ مولانا حالی فرماتے ہیں

مشقت کی ذلت جنھوں نے اٹھائی جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی فضیلت نہ عزت نہ فرمانروائی

نہال اِس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

غرض جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ سب کسب حلال کی مختلف صورتیں ہیں۔ سمجھدار آدمی ان میں سے جس کی طرف طبیعت کا رجحان دیکھے اسے اختیار کر کے فلاح پا سکتا ہے۔ بہرحال پیشے یا کمائی کا ذریعہ اِنتخاب کرنے میں اِس خیال کو سب سے مقدم رکھنا چاہیئے کہ جو پیشہ بھی ہو گداگری یا

یا بھیک مانگنے کی حدود سے دُور ہو اور اُس میں حرام کی کوئی صورت نہ پائی جاتی ہو۔ پیشہ کے اِنتخاب کے بعد بڑا فرض یہ ہے کہ جو پیشہ بھی اختیار کرے اُس میں محنت و مشقت کا حق ادا کر دے کیونکہ۔

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

بغیر محنت کے نہ کمائی میں مزہ آتا ہے نہ اُس سے حاصل کی ہوئی روزی خوشی اور مسّرت کا سامان بنتی ہے۔

سُود

یَمحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ

اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے

آج کل دُنیا جس معاشی عذاب میں مبتلا ہے اس سے کون واقف نہیں۔ ہر طرف روٹی اور پیٹ کا رونا رویا جاتا ہے۔ سارا عالم چیخ اٹھا ہے کہ معاشی پستی حد سے گزرتی جارہی ہے۔ بے روزگاری کی وَبا بُری طرح مسلّط ہے۔ بڑے بڑے فلسفی اور اِصلاح قوم کے مدعی اِس فکر میں دن رات سرگرداں رہتے ہیں کہ کسی صورت سے وقت کے اِس سب سے بڑے مسئلہ کا حل دریافت کریں اور دنیا کی موجودہ پریشانیوں میں تخفیف کی راہ نِکالیں مگر چونکہ یہ سب کچھ محض اپنی عقل اور سمجھ کے بھروسہ پر کیا جاتا ہے اور سب سے بڑے حکیم یعنی کائنات اور انسانی فطرت کے خالق نے جو قاعدے اور طریقے اِن مشکلات کے حل کرنے کے سکھائے ہیں اِن سے بے اِعتنائی کی جاتی ہے اِس لیے کسی کی سمجھ کام نہیں دیتی اور آخر میں سب تدبیریں بے نتیجہ ثابت ہوتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اِن معاشی مشکلات کا سب سے بڑا سبب سُود کی

لعنت ہے جو کم و بیش ساری دُنیا پر چھائی ہوئی ہے اور بے شمار انسانوں کی تباہی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اِس لعنت کا سب سے بڑا شکار غریبوں اور محنت مزدوری کرنے والوں کا طبقہ ہے جنھیں پیٹ بھر کھانے اور تن ڈھانپنے کو کافی روپیہ میسر نہیں ہوتا اِس لیے سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنی ساری کمائی اِسی سود پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

اِن غریبوں میں کاشتکاروں کی حالت خصوصیت سے قابلِ رحم ہے یہ بے چارے کھیتی باڑی کرنے میں کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے ہیں اور کِس کِس طرح اپنا خون پسینا ایک کر دیتے ہیں تب کہیں کھیتی یا زراعت کے پھلنے پھُولنے اور سرسبز ہونے کی نوبت آتی ہے مگر فصل کاٹنے کے بعد عین اُس وقت جب اُنھیں اپنی محنت سے پھل پانے کی اُمید بندھتی ہے۔ سود کھانے والا ساہوکار آدھمکتا ہے اور اُن کی گاڑھی کمائی کا بیشتر حصہ اپنے قرضہ میں آدبوچتا ہے اور یہ غریب۔ ؎

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

کا مصداق بن کر اپنا سا مُنھ لے کے رہ جاتے ہیں۔ اِس کے بعد پھر سال بھر تک ساہوکار کے رحم و کرم پر گزر ہوتی ہے۔ قرض لیتے جاتے ہیں۔ سود بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ کھیت تو کھیت گھر کے برتن بھانڈے بلکہ ایک ایک چیز قرق ہو جاتی ہے اور یہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جاتے ہیں۔

رحم و شفقت اور ہمدردی اِنسان کی فطرت میں خمیر کی گئی ہے۔ وہ اِنسان نہیں جس میں اُنس یعنی غمخواری کا جوہر نہو۔ جس میں ذرا بھی اِنسانیت موجود ہوتی ہے وہ اپنے جیسے دوسرے اِنسان کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ جہانتک ہوسکتا ہے اُس کی مدد کرنا اُپنا فرض سمجھتا ہے۔ مگر سودخوار کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ یہ اُس شیطانی دھندے میں اِتنا سرگرم رہتا ہے کہ اسے اپنے نفع کے آگے کسی کا ذرا دھیان نہیں آتا۔ جو غریب اُس کے سود کے بوجھ سے دَبے جاتے ہیں اُن کی حالت پر دوسرے کتنا ہی غم کھائیں اسے ذرا قلق نہیں ہوتا۔ یہ نہایت اِطمینان سے اُن کی خانہ بربادی کا تماشا دیکھتا رہتا ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ دراصل مال جمع کرنے کی حرص اُسپر اِتنی غالب آجاتی ہے کہ اسے اپنے آدمی ہونے کا اِحساس بھی باقی نہیں رہتا۔ وَخَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اللہ نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا) کی آسمانی ہدایت کو دِل سے بھلا کر جانوروں اور درندوں کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے بلکہ سنگدلی اور بیدردی میں اُس کی حالت اُن سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

سُود کی مختلف شکلیں

سود کھانے کی ایک صورت نہیں بہت سی صورتیں رائج ہیں۔ ایک تو وہی پُرانا طریقہ ہے کہ تنہا ایک شخص ساہوکار بنا ہوا روپیہ قرض دیتا اور اُس پر سُود لیتا ہے یہ طریقہ گویا اِنفرادی ہے یعنی ایک شخص کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ دوسرے طریقے زیادہ تر اجتماعی ہیں جن میں ایک جماعت ملکر یہ کام کرتی ہے اور اُس کا

نام کمپنی یا بینک وغیرہ رکھتی ہے۔ چالاک لوگ بھولے بھالے اور ناواقف مسلمانوں کو یہ کہکر بڑی آسانی سے دہوکا دیتے ہیں کہ اِن بنکوں وغیرہ میں روپیہ جمع کرنا تو تجارت کی ایک دوسری شکل ہے۔ اِس طرح لگایا ہوا روپیہ بڑھتا رہتا ہے۔ اس بڑھے ہوئے روپے کا نام اُن کی اِصطلاح میں سُود نہیں منافع ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑا فریب ہے۔ مسلمانوں کو اِس دہوکے میں ہرگز نہ آنا چاہیئے۔ روپیہ کا ہر ایسا کاروبار جس میں نفع ہی نفع کی شرط ہو اور نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہو کھُلا ہوا سُود ہے اور مطلقاً حرام ہے۔ اِس میں خواہ کسی بیمہ کمپنی کا معاملہ ہو، ڈاکخانہ، بینک یا امدادِ باہمی کی انجمن کا ہو یہ سب سُود میں داخل ہیں۔

سرمایہ دار یا کھاتے پیتے مسلمانوں کو اِن بینکوں وغیرہ میں روپیہ لگاتے وقت خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔ اِس حرکت سے علاوہ گناہ میں مبتلا ہونے کے ایک بڑا قومی نقصان بھی ہوتا ہے جو یہ ہے کہ عموماً ایسا کاروبار کرنے والی کمپنیاں غیرمسلم ہوتی ہیں اور وہ اِس روپیہ سے فائدہ اُٹھا کر کفر و بے دینی کے ہاتھ مضبوط کرتی ہیں اور مسلمانوں کی جڑ کھودنے کا انتظام کرتی ہیں۔

سَود کی یہ تباہیاں ایسی نہیں جن کے لیے کسی ثبوت یا گواہی شاہدی کی ضرورت ہو۔ دن رات ایسے واقعات دیکھنے اور سُننے میں آتے رہتے ہیں۔ عدالتوں کا بڑا وقت سود ہی کے مقدمات فیصل کرنے میں گزرتا ہے۔ وکیلوں اور دلالوں کی گرم بازاری زیادہ تر انھی جھگڑوں کی بدولت رہتی ہے۔ اچھے اچھے آباد گھر اِسی منحوس سُود کا نشانہ بن کر اُجڑ جاتے ہیں

اور اجاڑنے والوں کو ذرا ترس نہیں آتا۔

سود کی لعنت اکیلے مزدوروں اور کاشتکاروں ہی تک محدود نہیں اس میں ملازمت پیشہ بھی خصوصیت سے کم تنخواہ پانے والے بکثرت مبتلا ہیں چونکہ بینکوں اور امداد باہمی کی انجمنوں کی بدولت سود کا جال بہت پھیلا ہوا ہے اس لیے قرض لینے میں چنداں دقت محسوس نہیں ہوتی۔ ساہوکار سے ملنے میں دشواری معلوم ہوئی تو ان بینکوں سے روپیہ لے لیا اور اپنا کام چلایا۔ مگر اس آسانی کا نتیجہ آگے چل کر سخت دشواری بن جاتا ہے اور ادا کرتے وقت جو پریشانیاں اور الجھنیں پیش آتی ہیں اُن کا حال کچھ وہی خوب جانتے ہیں جن پر گزرتی ہے۔

مسلمان اس معاملہ میں اور زیادہ قابل رحم ہیں ایک تو اُن کی اوسط معاشی حالت یوں ہی دوسری قوموں سے کمزور ہے پھر شامت اعمال سے اُن پر اسراف اور فضول خرچی کا بھوت اس طرح مسلط ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ شادی بیاہ میں تو خیر کبھی کبھی اسراف کی نوبت آتی ہے اُن کے یہاں ویسے بھی فضول خرچی کی بکثرت مدات کھلی ہوئی ہیں۔ سگرٹ، چائے، سینما، ہوٹل نوازی، حیثیت سے زیادہ خوش پوشی وغیرہ وغیرہ ایسی نہ معلوم خرچ کی کتنی غیر ضروری صورتیں ہیں جنھیں یہ ضروری سمجھے ہوئے اُن میں بے تکلف روپیہ تباہ کرتے رہتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو بے سوچے سمجھے کھٹ سے سود پر قرض لے لیتے ہیں۔ بعد میں جب اپنے ہاتھوں خریدی ہوئی مصیبت کے شکنجے میں کسے جاتے ہیں تو آنکھیں کھلتی ہیں

مگر اُس وقت۔ ؎

اَب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

کا معاملہ پیش آتا ہے اور ندامت بے نتیجہ ثابت ہوتی ہے۔

اسلام سود خواری کو سخت ترین لعنت قرار دیتا ہے اور اسے مُسلمان کے لیے کبھی جائز نہیں رکھتا چونکہ اسلام خدا کا سچا اور مکمل ترین قانون پیش کرتا ہے اِس لیے وہ بار بار اس ملعون ذریعہ آمدنی سے بیزاری ظاہر کرتا اور اس کی خرابیاں کھول کر سمجھاتا ہے تاکہ مسلمان اِس شیطانی پھندے میں پھنس کر دنیا و آخرت کی تباہی مول نہ لیں۔

قرآن شریف کے احکام میں سود نہ لینے کی جس شدت سے تاکید اور ممانعت آئی ہے اس کا اندازہ ذیل کی آیتوں سے ہوگا۔

"اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔"

"مسلمانو! جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اِضافہ ہو تو وہ سُود اللہ کے یہاں بڑھتا اور پھلتا پھولتا نہیں اور جو تم محض خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اپنے دیے کو بڑھا رہے ہیں۔"

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ حشر کے دن ایسے شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان چھو کر بوکھلا دے۔ یہ اِس لیے کہ اُنھوں نے

کہا تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے تجارت یا بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ پس جس کے پاس اس کے پروردگار کی نصیحت پہنچے اور وہ سود لینے سے باز رہے تو جو کچھ وہ لے چکا ہے وہ اُس کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ پر ہے۔ اور جس نے نصیحت پہنچنے کے بعد پھر سود کھایا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زبان مبارک سے سود سے بچنے کی بڑی سختی سے ہدایت فرمائی ہے اور جا بجا حدیثوں میں سُود خوار کو عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث میں تو نہایت واضح الفاظ میں سود لینے والے، دینے والے، سود کی دستاویز لکھنے والے سود کی گواہی دینے والے سب پر لعنت آئی ہے۔

ایک مسلمان ایمان دار ہوتے ہوئے خدا رسول کے اتنے صاف اور شدید احکام کے خلاف چلنے کی جرأت کیونکر کر سکتا ہے۔ اور اگر اِس پر بھی وہ بدبختی سے ان کی خلاف ورزی پر آمادہ ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اپنی تباہی کو آپ بلاتا اور خدا پناہ میں رکھے خدا اور رسول کو جنگ کے لیے دعوت دے رہا ہے۔ ایسے بدنصیب کا جیسا بُرا انجام ہو سکتا ہے اس کے کہنے کی ضرورت نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان اگر ذرا ٹھنڈے دِل سے غور کرکے

سود کی خرابیوں کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اِتنی بڑی مستحق لعنت چیز کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اپنے یہاں زکوٰۃ کا خدائی ضابطہ باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ جاری کر دیں اور ساتھ ہی قرض حسنہ کا لین دین اور بیت المال کا نظام سلیقہ اور قرینہ سے شروع کر دیں تو وہ دیکھ لیں گے کہ کتنی جلدی اُن کی مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں اور وہ کیسی آسانی سے اُن معاشی مشکلات پر قابو حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اِس کام کے لیے ایمان راسخ، عزم صحیح اور عمل پیہم پہلی شرط ہے۔

رضا بقضا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

کہنے کو تو یہ دو لفظ ہیں لیکن سوچو اور عمل کرو تو اُن سے بے شمار فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ رضا راضی ہونے یا خوش رہنے کو کہتے ہیں اور قضا سے خدا کا حکم مراد ہے۔ اِس لیے ان دونوں کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دینا اور جو رنج یا تکلیف، صدمہ یا غم اس کی طرف سے پیش آئے اسے خوشی سے گوارا کر لینا ہے۔

یہ رضا بقضا مسلمان کے لیے بڑی قابل تعریف خصلت ہے۔ جس مسلمان میں یہ صفت موجود ہو اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کے ذریعے سے وہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں میں شمار ہو سکتا ہے اور اللہ کے یہاں اُس کے مرتبے بہت بلند ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ پاکیزہ صفت ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں مسلمان کی سربلندی اور فخر و اعتبار کا سرمایہ بنتی ہے۔ یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ اسلام کے معنی خود ہی اطاعت کے لیے گردن جھکا دینا ہیں اِس سے ظاہر ہے کہ اسلام اور رضا بقضا میں

کتنا قریب کا تعلق ہے۔ گویا اعلیٰ درجے کا مسلم یا مسلمان وہی ہے جو رضا کی کسوٹی پر پورا اترے اور جب کوئی پریشانی یا مصیبت پیش آئے تو گھبرانے اور بے قرار ہونے کے بدلے خدا کی مرضی پر خوش ہو اور اس کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس سے بڑی مصیبت میں پڑنے سے بچایا۔

تم نے پیغمبروں کے حالات میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر پڑھا ہوگا کہ وہ خدا کے کتنے صابر و شاکر بندے تھے۔ اُن پر کیسی کیسی دشکن مصیبتیں نازل ہوئیں مگر اُنھوں نے کبھی خدا کی شکایت نہ کی ہر آفت کو ہنسی خوشی جھیلا اور ہر صدمہ کو برضا و رغبت برداشت کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن کا شمار اللہ کے خاص اور مقرب نبیوں میں ہوا۔ وہ رضا بقضا کے امتحان میں کامیاب ہوئے اور آج تک دنیا میں اُن کی یہ صفت ضرب المثل ہے۔ جو شخص صبر و حوصلہ سے کام لیتا ہے اس کے صبر کو صبر ایوبی سے تشبیہہ دیتے ہیں اور اس کے ظرف کی داد دیتے ہیں۔

اِس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بھی عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے کچھ کم مفید نہیں۔ اس خدا کے نیک بندے پر بھی کافروں کے ظلم و ستم کی حد ہو گئی یہاں تک کہ اُن کے سر پر آرہ چلا دیا مگر اُن کے مَنھ سے اُف نہ نکلی۔

دُور کیوں جاؤ خود ہمارے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی شروع سے آخر تک رضا بقضا کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ آپ نے جس دن خدا کا پیارا پیغام بندوں کو پہنچایا اور انھیں بتوں سے مَنھ

موڑ نے اور خدا سے رشتہ جوڑنے کی طرف بلایا اُس دن سے لے کر فتح مکہ تک آپ کو ایک روز بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ کافروں نے آپ کو کس کس طرح ستایا کیسے کیسے صدمے دیے دکھ دینے اور پریشان کرنے کے کون سے ڈھنگ تھے جو نہ اختیار کیے ظلم ڈھانے کے کون سے طریقے تھے جو نہ آزمائے مگر تم دیکھتے ہو کہ آپ نے ایک بار بھی شکوہ کے لیے لب نہ کھولے۔ ہمیشہ قضائے الٰہی پر راضی رہے اور نہایت خندہ پیشانی سے ان تمام مصیبتوں کا سامنا کیا۔ اگر آپ ذرا ناراض ہوتے تو کافروں کے لیے جیسی بد دعا چاہتے کر سکتے تھے مگر بد دعا کا خیال آنا بڑی بات ہے آپ نے اُن کے حق میں اُلٹی دعا فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ اھدِ قومی فانھم لَا یَعلمون۔ (اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما۔ کیونکہ یہ لوگ نادان ہیں۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے پیارے دوستوں اور جاں نثاروں کی مثالیں ہمارے لیے بہت بڑا نمونہ ہیں جن میں سے بہت سے ایسے تھے جنھیں اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں بڑی بڑی آفتوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ بعض کو تو جان جیسی پیاری چیز سے بھی خدا کی راہ میں ہاتھ دھونا پڑا مگر یہ سب رضا کے راستے پر ثابت قدم رہے جان دینا گوارا کی مگر اُف زبان پر نہ لائے اور جو سر پر پڑی خوشی سے جھیل گئے۔

اِس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار اور قدرت و حکومت عطا کی تو بظاہر چین سکون حاصل ہو گیا مگر مصیبتوں اور آزمائشوں کا دروازہ

کبھی بند نہیں ہوتا اس وقت بھی اللہ کے سچے بندے کسی نہ کسی آفت کا شکار ہوجاتے تاہم صبر و سکون اور رضا بقضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ چار یار رضی (اللہ ان سے راضی ہوا) میں سے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی ایسے تھے جنھوں نے طبعی موت سے وفات پائی۔ باقی تینوں بزرگ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے مگر کیا مجال تھی کہ ان کی زبان سے شکایت کا ایک حرف بھی نکلتا۔ تینوں نے نہایت وقار و سکون سے جان دی اور آخر وقت تک خدا کی مرضی پر ثابت قدم رہے۔ ان میں سے حضرت عثمان غنی رضی تو قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف تھے اور اسی حالت میں باغیوں نے آپ کو شہید کیا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو باغیوں کا مطالبہ پورا کر کے جان بچا لیتے مگر آپ نے قضائے الٰہی پر راضی رہنا ہی عین کامیابی خیال فرمایا اور جان دے کر حق کے راستے سے انحراف نہ کیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت بھی اسی رضا بقضا کا نہ بھولنے والا سبق ہے۔ آپ جس بات کو حق اور صحیح خیال فرماتے تھے اسی پر آخر تک قائم رہے۔ بڑی سے بڑی سختی اور دھمکی کو بھی خاطر میں نہ لائے یہاں تک کہ جان دے دینا گوارا کی مگر آپ کے قدم راہ حق سے ذرا نہ ڈگمگائے۔

کیا خدا کے برگزیدہ نبیوں اور نیک و صالح بزرگوں اور ولیوں کے یہ حالات ہماری نصیحت و ہدایت کے لیے کافی نہیں ہیں۔ ہم اگر

چاہیں تو صرف اُنھی مثالوں کو پیش نظر رکھ کر خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو سکتے ہیں، کیونکہ خدا کے مقبول بندوں کی پیروی بھی خدا کی نظر میں پسندیدہ بننے کے لیے کافی ہے۔

اِس سے قطع نظر کر کے اگر ہم ذرا غور کریں تو نہایت آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ رضا بقضا کے سوا دنیا میں چین اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت ممکن بھی تو نہیں ہے۔ آدمی بیچارہ کر ہی کیا سکتا ہے۔ تقدیر میں تو جو لکھا ہے پُورا ہو کر رہتا ہے۔

تقدیر چو سابق است تعلیم چہ سود
جز بندگی و رضا و تسلیم چہ سود

مسلمان کا عقیدہ ہے کہ جو ہونا ہے پہلے ہی سے لَوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو پیش آئے اُسے پیشانی کا لکھا جانکر ہنسی خوشی جھیل جائے اور ابرو ؤں پر بل لائے بغیر مردانگی سے برداشت کرلے۔ فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے۔

رضا بداده ده وز گره جبین بکشائے ۔۔۔ کہ بر من و تو در اختیار نکشا داست

اِسی مضمون کو ایک شاعر نے اُردو میں یوں ادا کیا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ جو بھی ملے اسپہ خوش رہیں ۔۔۔ ہم پر کھلا ہوا ہے در اختیار کب ؟

جب ہماری بے اختیاری اور مجبوری ظاہر ہے تو اس سے زیادہ عقل کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ خدا جس حال میں رکھے اُس میں خوش رہیں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ جو بات کسی طرح ٹالے ٹل نہ سکتی ہو وہ گھبرانے

پریشان ہونے اور گلہ شکوہ کرنے سے بھی نہ ٹلے گی اس لیے اس قسم کی حرکتوں سے اپنی کم حوصلگی اور کم ظرفی ظاہر کرنے کے سوا کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں تقدیر یا خدا کا شکوہ کرنا محض بیکار اور بے معنی حرکت ہے اس سے شکایت کرنے والے کی پست ہمتی بلکہ بے وقوفی کا بھی اظہار ہوتا ہے شکایت جن لوگوں سے کی جاتی ہے ان میں ایسے بہت کم ہوتے ہیں جو دلی ہمدردی سے اس شکایت کو سنیں اور شکوہ کرنے والے کو سمجھائیں یا تسلی دیں بیشتر ایسے ہی ہوتے ہیں جو الٹا مذاق اڑاتے ہیں اور سامنے نہیں تو پیٹھ پیچھے ضرور بیوقوف بناتے ہیں۔ اس لیے ایسی حرکت کرنے والا سچ پوچھو تو اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو شخص رضا بقضا کا پابند ہے وہ نہ صرف عقل اور دانائی کے صحیح راستے پر چلتا ہے بلکہ خدا کے یہاں اجر و ثواب کا الگ حقدار ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے رضا بقضا میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ خود زندگی چین سے گزرتی ہے۔ مصیبت کو مصیبت نہ سمجھو تو راحت بن جاتی ہے اور آخرت میں علیحدہ مدارج بلند ہوتے ہیں۔

ایک نبی کا ذکر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے کہ اے خدا ایسی بات سکھا جو تیری خوشنودی اور رضامندی کا سبب ہو۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور یہ پیغام بھیجا کہ تجھ سے میرا راضی ہونا اس پر موقوف ہے کہ تو میری قضا یعنی حکم پر راضی رہے۔ اسی لیے مسلمانوں میں جو برگزیدہ بندے اس صفت میں کامل نکلے اللہ تعالیٰ نے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ فرما کر ان کی تعریف فرمائی جو رہتی دنیا تک باقی رہے گی اس آیت سے

معنی یہ ہیں کہ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی رہے۔ ایک موسن و مسلم کے لیے اس سے بڑھ کر فخر و اعزاز کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے۔

اب اتنی بات اور نظر میں رکھنی چاہیئے کہ مصیبتیں اور بلائیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہیں اُن میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔ عربی کی مشہور مثل ہے فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ (حکیم کی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی) یہ دوسری بات ہے کہ ہماری عقل اِس حکمت کو نہ پاسکے۔ غور کرو تو ایسی باتیں بے شمار ہوں گی جو حد سے زیادہ عام ہونے کے باوجود ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ مثلاً خود ہمارے ہی جیسے انسانوں کی بنائی ہوئی بے تعداد ایجادیں جنھیں ہم دن رات برتتے اور کام میں لاتے ہیں ہم میں سے بہتوں کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں پھر خدا تو خدا ہی ہے اُس کی عقل و حکمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اُسکی حکمت کیونکر سمجھ میں آئے گی۔ شیفتہ کا شعر ہے۔

واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں
کتنا دماغ ہے خلل آگیں حکیم کا

اِس لیے اِتنا سمجھ لینا بہت کافی ہے کہ خدا جو کچھ کرتا ہے کسی نہ کسی مصلحت سے کرتا ہے۔ اور اگر اِس نکتہ کو اور سمجھ لو کہ خدا ہم پر ہمارے ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے تو تمھیں کبھی خدا کے حکم سے ناراض ہونیکی ہمت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ تو ہم سب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ماں باپ کبھی اپنی اولاد کے حق میں برا نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اُس میں اولاد کا

فائدہ ضرور ہوتا ہے اگرچہ ظاہر میں اولاد اسے اپنے لیے اچھا نہیں سمجھتی اور اکثر ماں باپ کے احکام مانتے وقت کم از کم دل میں ضرور ناگواری محسوس کرتی ہے ۔ یا دوسری مثال شفیق ڈاکٹر یا معالج اور دردمند مریض کے سامنے رکھو تو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ معالج علاج کے سلسلہ میں مریض کے ساتھ جو سلوک کرتا ہے وہ بظاہر ناداں مریضوں کو کتنا تلخ اور ناگوار معلوم ہوتا ہے مگر اس میں کتنی مصلحت اور کیسی بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے وہی کڑوی اور کسیلی دوا جس کے گھونٹ بڑی مشکل سے اترتے ہیں کس طرح شفا کا پیام پہنچاتی اور مریض کے لیے کیسا مفید نتیجہ پیدا کرتی ہے اور غور کرو تو معلوم ہو گا کہ بعض مریض خدا محفوظ رکھے ایسی سخت بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کا ایک آدھ عضو سڑ جاتا ہے اور اس میں زہریلا مادہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس وقت شفیق ڈاکٹر مریض کے دوسرے اعضاء کو محفوظ رکھنے کے لیے مجبوراً اس سڑے ہوئے عضو کو کاٹ ڈالتا ہے ۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ ڈاکٹر کا یہ فعل ظلم نہیں کہا جاتا ۔ بلکہ سب اس کی دانشمندی کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے مریض کی جان تو بچا لی ۔

اسی طرح استاد اور شاگرد کا معاملہ ہے ۔ تمھیں بھی اپنا بچپن یاد ہو گا ۔ شروع شروع میں استاد کی سختیاں طبیعت کو کیسی ناپسند ہوتی ہیں ۔ بچے مدرسے جاتے وقت یا استاد کے سامنے بیٹھتے وقت کیسی الجھن محسوس کرتے ہیں ۔ مگر آہستہ آہستہ ان کی آنکھیں کھلنے لگتی ہیں اور وہ استاد کے سخت سلوک کو اپنے حق میں تریاق سمجھنے لگتے ہیں ۔ جب

اپنے ہوش و حواس کے ہوتے ہیں تو۔

جورِ اُستاد بہ ز مہرِ پدر

(اُستاد کا ظلم باپ کی محبت سے بہتر ہے)

کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

یقین ہے کہ ان اشاروں سے تم یہ بات اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے کہ ہم جس مصیبت کو مصیبت یا زحمت سمجھتے ہیں وہ عین رحمت ہوتی ہے عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (یعنی ممکن ہے تم کسی ایسی چیز کو ناپسند کرو جو تمھارے لیے بہتر ہو یا کسی ایسی چیز کو پسند کرو جس میں تمھارے لیے برائی ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) اِس لیے ہمیں چاہیے کہ کبھی کسی حادثہ یا پریشانی سے گھبرا کر رضا بقضا کے خلاف کوئی بات نہ کریں اور ہر بُری بھلی بات کو خدا کی طرف سے جان کر اپنا سرِ تسلیم خم کردیں کہ یہی ایک مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی کسوٹی ہے۔

اَب ہم تمھیں عنوان کی آیت پر ایک مرتبہ اور توجہ دلاتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ اس وقت تک ایمان دار نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں اور اختلافوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم یا فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں اور پھر آنحضرت کے حُکم یا فیصلہ پر اپنے دلوں میں "ناگواری و تنگی محسوس نہ کریں" اِس کا مطلب یہ ہے کہ رضا بقضا کا مقام یہی ہے کہ خدا و رسول کے حُکم

خواہ بظاہر کیسے ہی ناپسندیدہ اور خلافِ طبع معلوم ہوتے ہوں انھیں بے چوُں وچرا اور جبرِ محسوس کیے بغیر قبول کر لینا چاہیے کہ یہی مردِ مومن کا سب سے بڑا اِمتیاز ہے۔

قناعت

اَلقِنَاعَۃُ کَنزٌ لَا یُغنیٰ
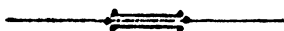
(قناعت وہ خزانہ ہے جو ختم نہیں ہوتا۔)

قناعت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صرف اِتنی چیز پر اِکتفاء کرے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے اور کھانے پینے اور پہننے کی اشیاء کو حقیر سمجھے یعنی صحیح معنوں میں "اپنچہ گیرید مختصر گیرید" (جو کچھ لو مختصر یا تھوڑا لو) پر عمل کرے۔ یہ صفت ہر زمانہ اور ہر حالت میں اچھی ہے اس کی خوبی سے کسی وقت بھی اِنکار نہیں کیا جا سکتا مگر آج کل تو اس کی اہمیت اور بھی واضح اور ظاہر ہے جبکہ متوسط طبقے کے اور غریب لوگوں پر خصوصیت کے ساتھ عرصۂ زمین تنگ ہوتا جا رہا ہے اور لوگ حد سے زیادہ معاشی دشواریوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ آج کل تو بڑی بڑی فضول خرچ قومیں بھی جو تمدن اور شائستگی کے نام پر روپیہ پانی کی طرح بہا رہی تھیں فضولیات سے بچنے اور جو کچھ میسر ہو اُسپر قناعت کرنے کو نجات کا ذریعہ سمجھ رہی ہیں۔

قناعت کے اس مفہوم کو اِسلام نے ہر مذہب سے زیادہ اِصرار و تاکید کے ساتھ ذہن نشین کیا ہے۔ سادہ معاشرت کی خوبیاں سمجھائی

ہیں اور فضول خرچوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ہر اُس چیز کو ترک کر دے جس کی اسے واقعی ضرورت نہیں۔

فارسی کے مشہور شاعر مرزا بیدل عظیم آبادی اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں اس طرح ادا کرتے ہیں۔

نیست کس قانع وگرنہ بیدل اسباب جہاں
آنچہ ما درکار داریم اکثرش درکار نیست

یعنی اے بیدل کوئی قناعت کرنے والا ہی نہیں ورنہ سوچو تو دنیا کے ساز و سامان میں بیشتر چیزیں ہمارے کام میں ایسی ہیں جس کی ہم کو در اصل ضرورت نہیں ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر اُس حکیمانہ ہدایت کو سامنے رکھا جائے تو زندگی کے کتنے بکھیڑے ایسے ہیں جن کا قصہ دم کے دم میں مختصر ہو جاتا ہے۔ یہ فضول اور غیر ضروری تمدن کے لوازم ہی تو ہیں جنھوں نے ہماری حالت تباہ کر رکھی ہے اور ہم بغیر اُن کے اپنے آپ کو آدمی نہیں سمجھتے۔ اگر اس نکتہ پر عمل کریں تو ہماری زندگی انتہائی طور پر سادہ ہو سکتی ہے اور اس سے دین و ملت کو بے شمار فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ اس صورت سے ہماری حرص ترقی کرے گی نہ ہم کسی وبال میں مبتلا ہوں گے بلکہ نہایت امن اور سکون سے بسر کریں گے۔

قناعت کو حدیث شریف میں ایک غیر فانی خزانہ بتایا گیا ہے۔ اس کا

مطلب یہی ہے کہ قانع آدمی کبھی اپنی چادر سے زیادہ پانو پھیلانا پسند نہیں کرتا، اسے جو کچھ میسّر ہوتا ہے اُس پر صبر و شکر کے ساتھ خوش رہتا ہے۔ اُسے مزید چیز طلب کرنے کے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہیں آتی۔ اِس لیے اس کی قناعت کی صفت اُس کے لیے ایک ایسا خزانہ بن جاتی ہے جو کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

قناعت میں ایک بڑا کمال یہ بھی ہے کہ وہ بہت سی خرابیوں سے بچا لیتی ہے۔ ایک بڑا فائدہ تو اس سے یہی ہوتا ہے کہ قناعت کرنے والا سوال کرنے اور بھیک مانگنے کی ذلت کو کبھی گوارا نہیں کرتا بلکہ اپنی اس عادت کو نباہنے کے لیے ہر مشقت اور محنت کو برداشت کرتا ہے اور جو کچھ میسّر آئے اُسی کو غنیمت جانتا ہے۔ اِس طرح قناعت اُس کے اندر غیرت اور حمیّت کے جوہر کو چمکاتی اور اسے دربدر ذلیل ہونے سے بچاتی ہے۔

گلستان میں ایک درویش کا قصّہ لکھا ہے کہ بیچارہ فاقہ کی مصیبت برداشت کرتا تھا اور کپڑا میسّر نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ لباس پیوند پر پیوند لگا کر استعمال کرتا تھا۔ پریشانی زیادہ ستاتی تو یہ شعر پڑھتا۔ ؎

بنانِ خشک قناعت کنیم و جامۂ دلق
کہ رنج محنت خود بہ کہ بار منتِ خلق

کسی نے اُس کو توجہ دلائی کہ اُس شہر میں فلان شخص بڑا فیاض ہے اور ہر وقت درویشوں کی خدمت کے لیے کمربستہ رہتا ہے۔ اگر تم اُسکے پاس جا کر اپنی حالت سے آگاہ کرو تو یقین ہے کہ تمھاری خدمت کے لیے خوشی

تیار ہو جائے گا۔ درویش نے جواب دیا کسی کے پاس حاجت لے جانے سے پستی و مفلسی میں مرجانا بہتر ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قناعت کی بدولت اخلاق وعادات خراب نہیں ہوتے۔ قانع شخص چوری کی طرف بھی کبھی خیال نہیں کرتا۔ کیونکہ چوری کی تو اسی وقت سوجھتی ہے جب آدمی موجودہ چیز کو کافی نہ سمجھے اور خواہش کے مطابق چیز مہیا کرنے کے لیے اِدھر اُدھر نظر دوڑائے۔

قرض جو انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت بلکہ لعنت ہے وہ بھی قناعت نہ ہونے کی وجہ سے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ قانع اشخاص افلاس اور تنگی کے صدمے کو قرض کی ذلت سے بدرجہا بہتر سمجھتے ہیں۔ انھیں قناعت میں جو عزت محسوس ہوتی ہے وہ قرضداری کی رسوائی میں پڑنے سے بچاتی ہے۔ وہ قرض دینے والوں کے تقاضے اور ان کی سخت وسست باتیں سننے پر موت کو ترجیح دیتے ہیں اور خواہ کیسی ہی دقت کا سامنا ہو قرض لینے کے روادار نہیں ہوتے۔ اس لحاظ سے قناعت عزت نفس کی بہت بڑی معلم بن جاتی ہے جو شرافت کا سب سے بڑا اور نہایت نمایاں امتیاز ہے۔

ایک بنیے کے چند درم بعض صوفیوں پر قرض ہو گئے تھے وہ ان کا ہر روز مطالبہ کرتا اور صوفیوں کو سخت سست سناتا رہتا تھا۔ ساتھ والے اس حالت کو دیکھتے اور برداشت کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکتے۔ ایک عقلمند نے انھیں اس حال میں دیکھا تو کہا "اپنے آپ کھانے کا وعدہ کرکے سنبھالے رکھنا بقال سے درم ادا کرنے کا وعدہ کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

لیکن اس بیان سے تم کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ قناعت تمھیں ترقی اور بہتری کی صورتیں اختیار کرنے سے منع کرتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ایسی باتوں سے روکنا تو عین سستی اور کاہلی ہے جو کسی عقلمند کو ایک لمحہ کے لیے پسند نہیں آسکتی۔ قناعت تو صرف حرص اور بیجا خواہشوں سے روکتی ہے۔ اس کا یہ کام ہرگز نہیں کہ بھلائی کی جو صورتیں میسر ہوں انھیں اختیار کرنے سے منع کرے۔ اس کے برخلاف وہ جائز صورتوں سے حالت کے بہتر بنانے پر اکساتی اور شریفانہ و غیرتمندانہ جذبات کو ابھارتی ہے۔ ترقی اور قناعت میں کسی قسم کا اختلاف اور تضاد موجود نہیں۔

اوپر قناعت کی تعریف میں جو باتیں کی گئی ہیں ان سے قناعت کی سرحد بخل اور کنجوسی کی حد سے ملتی نظر آتی ہے۔ مگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ قناعت کا راستہ بخل سے الگ ہے۔ قناعت میں شرط ہے کہ مال جمع کرنے کی حرص کی وجہ سے غیرضروری خوراک و پوشاک کو حقیر نہ سمجھا جائے ورنہ اسی کا نام تقتیر یا کنجوسی ہو جائے گا جو نہایت بری اور مذموم چیز ہے۔

غرض قناعت ہمیں بہت سے اچھے اخلاق سکھاتی اور ہم میں اپنی عزت آپ کرنے کا احساس پیدا کرتی ہے جس کا ہماری زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ قانع بننے کی انتہائی کوشش کریں اور اس شعر کو یاد رکھیں

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر تو وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

بلند ہمتی

ان اللہ یحب معالی الامور

(بیشک اللہ تعالیٰ بلند معاملات کو بہت پسند کرتا ہے)

ہمت کی بلندی کامیابی اور ناموری کا زینہ ہے۔ جو لوگ عزم و حوصلہ رکھتے ہیں دنیا اُن کی عزّت کرتی ہے۔ ان کی عظمت و احترام کا لوہا مانتی اور اُن کے اشاروں پر سر جھکاتی ہے۔ پست ہمت لوگ آپس والوں میں کوئی امتیاز رکھتے ہیں نہ ملک اور قوم میں اُن کی کوئی خاص جگہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ہزاروں پیدا ہوتے اور مرجاتے ہیں۔ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کون آیا اور کون چلا گیا۔ البتہ بلند ہمت لوگ دلوں میں اپنا ایک خاص مقام اور اپنے ہی جیسے انسانوں میں ایک بلند حیثیت رکھتے ہیں جس کا چرچا دتوں رہتا ہے۔ اُن میں سے بعض بعض تو ایسی شہرت حاصل کر لیتے ہیں جو کبھی نہیں مٹتی۔

ہمت کے معاملہ میں جو جتنا بلند ہوتا ہے اتنا ہی اُس کا اعزاز و اعتبار ہوتا ہے۔ فارسی کا ایک شعر ہے۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق باشد بقدر ہمتِ تو اعتبارِ تو

یعنی تم اپنے حوصلے بلند رکھو کیونکہ خدا اور مخلوق کے نزدیک جتنی تمہاری

ہمت ہوگی اتنی ہی عزت کی جائے گی۔

جو لوگ ہمت سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ غیب سے ان کی مدد کرتا ہے وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اگر سچے ارادے اور خالص نیت کے ساتھ کام لیں تو خدا کی طرف سے اس میں کامیابی کے اسباب خود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمت کی بلندی انھیں ہر قسم کی مشکلوں کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کر دیتی ہے۔ وہ پوری سعی و مشقت سے کام لیتے ہیں اور خدا پر بھروسہ کر کے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ آخر کار ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اپنی ہمت اور خدا کی مدد سے کامیاب ہوتے ہیں۔ مولانا حالی نے خوب کہا ہے۔ ؎

چھپا دست ہمت میں ہے زورِ قضا ہے شل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

جن لوگوں نے عالی ہمتی سے کام لیا ہے ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ زمانہ ان کی شہرت مٹانا چاہے تب بھی نہیں مٹتی۔ تاریخیں اور دوسری قسم کی کتابیں ان کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں اور ان باعزت ہستیوں کو قبول دوام کی سند مل چکی ہے۔

تم نے نبیوں اور برگزیدہ پیغمبروں کے حالات میں اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر بھی پڑھا ہوگا۔ ان کو اولوالعزم اس لیے کہتے ہیں کہ یہ خدا کے نیک بندے بڑے عزم اور حوصلے والے تھے انھوں نے ہمیشہ اپنی ہمت بلند رکھی اور اسی کے بل بوتے پر خدا کے فضل و کرم کے امیدوار رہے آخر اپنے خدائی پیام کو دنیا تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے انھیں لوگوں میں ہمارے سرکارِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں جن کی

مقدس زندگی شروع سے آخر تک عزم و ہمت کی بلندیوں کا بہترین سبق دیتی ہے۔

پیغمبروں کے بعد دُنیا کے اور عالی مرتبہ لوگ بھی ایسا نمونہ پیش کر چکے ہیں جو ہر حیثیت سے تقلید اور پیروی کے قابل ہے۔ ان لوگوں میں ایسے اشخاص خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں جنھوں نے بلند ہمتی اور عزم و استقلال کی بدولت نہایت اَدنیٰ درجہ سے ترقی کرتے کرتے بادشاہی کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا اور دُنیا بھر سے اپنی عظمت منوالی قدیم زمانے کے لوگوں میں فریدوں، سکندر، اَمیر تیمور صاحبقران، بابر بادشاہ، شیر شاہ سوری وغیرہ ہیں اور قریب کے عہد میں نادر شاہ، احمد شاہ دُرانی، علاء الدین بہمنی، عادل شاہ، احمد نظام شاہ اور نظام الملک آصفجاہ اول وغیرہ ہیں۔ اگر خود اپنے زمانے کے لوگوں کا حال پڑھو اور معلوم کرو تو رضا شاہ بادشاہ ایران، غازی مصطفےٰ کمال، نادر شاہ بادشاہ افغانستان یا لائڈ جارج، ہٹلر، سولینی، جنرل فرینکو وغیرہ کی شخصیتیں اِس معاملہ میں بہت بلند نظر آئیں گی۔ یہ سب ہمت اور حوصلہ کی بلندی میں نہایت ممتاز رہے ہیں اور اسی میں اُن کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔

قدیم زمانے میں جن لوگوں نے اپنی بلند ہمتی کا سکہ چلایا ہے اُن میں ایک مسلمان بادشاہ یعقوب لیث صفار کے حالات بہت سبق آموز ہیں۔ یہ شخص کانسہ کے برتن بنانے کا پیشہ کرتا تھا۔ جو شخص یہ کام کرتا ہے اسے صفار یعنی ٹھیٹر کہتے ہیں۔ یہ بڑا بلند ہمت آدمی تھا اپنے پیشہ کا کام کرنے کے

علاوہ دن رات بڑے بڑے پرخطر کام کرتا اور محنت ومشقت سے ذرا نہ گھبراتا۔ اُس کی ہمت وبہادری اور دلیرانہ جرأت دیکھکر لوگ اسے سمجھاتے اور کہتے کہ بھائی تم ایک برتن بنانے والے ٹھینڑے ٹھیرے تمھیں ان سب جھگڑوں میں پڑنے سے کیا فائدہ۔ تم اپنی جان ناحق خطرے میں ڈالتے ہو اور بلا وجہ یہ سب مصیبتیں اٹھاتے ہو۔ اُس نے جواب دیا۔ مجھے اپنی عزیز عمر کانسے اور تانبے کے برتن بنانے اور درست کرنے میں صرف کرنا پست ہمتی معلوم ہوتی ہے اور اپنا قیمتی وقت ایسے پیشہ میں گزارتے ہوئے افسوس ہوتا ہے جس میں بہت سے لوگ شریک ہیں۔ میں اپنی ہمت اور حوصلہ سے اس مرتبہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں جس میں میرے گروہ کے لوگوں میں سے کوئی شریک نہ ہو جب لوگوں نے کہا کہ یہ کام نہایت مشکل ہے تو اُس نے جواب دیا کہ۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک دن مرنا ضروری ہے اس لیے کسی ادنیٰ کام اور پست حالت میں مرنے سے بہتر ہے کہ کسی اعلیٰ درجہ کی بلند مہم سر کرنے میں جان دوں۔ یعقوب لیث کی اسی ہمت اور جدوجہد کا یہ ثمرہ تھا کہ آخر کو اُس نے بادشاہی حاصل کرکے دم لیا اور ایک مدت تک بڑی شان وشوکت سے سلطنت کی۔

اسی یعقوب لیث کا قصہ ہے کہ جب یہ جوان ہوا تو اُس کے خاندان کے ایک بزرگ اور قبیلہ کے سردار نے اُس سے کہا "اب تم جوان اور شادی کے قابل ہو گئے۔ مہر کا انتظام کرو تاکہ کسی اچھے گھرانے کی لڑکی سے تمہاری شادی کر دی جائے" یعقوب نے جواب دیا کہ جس دلہن کو میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے اس کا مہر تیار رہے"۔ بزرگ نے کہا "میں بھی دیکھوں

وہ کیا ہے اور جس لڑکی کو تم نے پسند کیا ہے اُسے بھی بتاؤ کہ وہ کون ہے "
یعقوب نے میان سے تلوار نکالی اور کہا میں نے مشرق و مغرب کی سلطنت
کو دُلہن بنانے کا ارادہ کیا ہے اور اس کا مہر میری یہ آبدار تلوار ہے۔ ایک شاعر
نے اسی خیال کو اس طرح فارسی میں نظم کیا ہے۔ ؎

عروس ملکت آنمرد در کنار گرفت کہ اول از گہر تیغ داد کابینش

یعنی سلطنت کو دُلہن بنانے میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو
پہلے تلوار کے جوہر سے اس کا مہر ادا کر دے۔

یہ چند قصے تمہارے لیے مثال اور نصیحت کے طور پر لکھ دیے گئے ورنہ
محنت کرو اور کتابیں دیکھو تو تمہیں ایسے لوگوں کے حالات بہت زیادہ ملیں گے
جن سے تم اچھا سبق حاصل کر کے اپنی ہمت اور حوصلوں کو بلندی پر پہونچا سکتے ہو۔
اب یہاں ہمیں تم سے اِتنا ہی اور کہنا ہے کہ وقت ہمیشہ انھیں لوگوں کا ساتھ
دیتا ہے جو ہمت کے دھنی اور حوصلے کے بلند ہوتے ہیں۔ صرف باتیں بنانیوالوں
اور فضولیات میں وقت ضائع کرنے والوں کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ہمت کی
پستی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اِس لیے اگر کچھ کرنا چاہتے
ہو تو ہمیشہ حوصلے سے کام لو اور پست ہمتی اور بے حوصلگی سے بچو کیونکہ یہ سب
کے لیے عموماً اور جوانوں اور نوجوانوں کے لیے خصوصاً بے حد تباہ کن ہیں
ان سے آیندہ ترقی کی راہیں بالکل مسدود ہو جاتی ہیں۔

جرأت و بہادری

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے تم انھیں مردہ ہرگز نہ سمجھو (وہ مُردہ نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں اور انھیں اپنے رَب کے پاس سے روزی مل رہی ہے۔

جرأت و بہادری کو شجاعت بھی کہتے ہیں۔ جو خصلتیں اور فضیلتیں اِنسان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی اور اِنسانیت کا مرتبہ بڑھاتی ہیں اُن میں بہادری کا مرتبہ بڑا بلند ہے۔ جیسا کہ تم نے اُوپر کی آیت میں پڑھا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہادروں کا ذکر بڑی تعریف کے ساتھ کیا ہے۔ حدیثوں میں بھی جابجا بہادری کی صفات آئی ہیں اور بہادروں کو اللہ کا محبوب اور دوست بتایا گیا ہے۔ اِس لیے بہادری کا اچھا ہونا کسی حیثیت سے ثبوت کا محتاج نہیں۔ عقل بھی اس کی ثنا خواں ہے اور قرآن و حدیث کے احکام اور بزرگوں کے اقوال سے بھی اس کی خوبیاں واضح ہیں۔

بہادری کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے غصہ یا مدافعت کی قوت

کو عقل کے قابو میں رکھے تاکہ خوف وخطر کے موقعوں پر ہوش وحواس سلامت رہیں اور بڑے سے بڑے خطرہ سے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔
اصل میں بہادری۔ بزدلی اور بے جا جرأت کے درمیان کی ایک قوت کا نام ہے۔ جس طرح ڈرپوک اور بزدل ہونا کوئی اچھی بات نہیں اسی طرح عقل کے خلاف خواہ مخواہ جرأت کے نام سے جان کو ہلاکت میں ڈال دینا بھی پسندیدہ نہیں۔ جو آدمی نہ بزدل ہو اور نہ جہالت کے ساتھ زبردستی خطروں میں گھس پڑتا ہو اُسی کو دنیا بہادر کہتی ہے۔

بہادر شخص کے نزدیک ڈرنا اور خوف کھانا بالکل بیہودہ اور بے معنی حرکت ہے۔ وہ جس کام کو عقل کی رہنمائی میں انجام دینا چاہتا ہے اُسے بے خوف وخطر کر گزرتا ہے۔ جان جیسی قیمتی چیز بھی اُس کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ بہادری سے روکنے والی یا انسان کو بزدل بنانے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ اُسی موت کا خوف ہے۔ جن لوگوں کے ایمان مضبوط ہوتے ہیں وہ موت کو ایماندار کا تحفہ سمجھتے ہیں اسی لیے سچے مومن کبھی بزدل نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ نمایاں چیز یہی ہے کہ اُنھوں نے موت کے ڈر کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔ خدا کی راہ میں مارے گئے تو شہید ہوئے اور زندہ رہ کر فتح پائی تو غازی کہلائے۔ یہی اُن کا مشہور وطیرہ رہا ہے۔

مسلمانوں کے لیے بہادری کی سب سے زیادہ روشن مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات ہے۔ آپ نے کبھی

حق کے راستہ میں کسی خطرہ کی پروانہ کی۔ مکہ میں جب تک رہے ہمیشہ سر ہتھیلی پر لیے بتیس دانتوں میں ایک زبان کی طرح رہے اور نہایت جرأت اور بے باکی کے ساتھ خدا کا پیغام پہنچاتے رہے۔ آپ کی مقدس زندگی شجاعت و دلیری کا نہایت مکمل نمونہ تھی۔ کیا لڑائیوں میں اور کیا عام حالات میں ہر موقع پر آپ ایک نہایت دلاور انسان کی حیثیت سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کی بہادرانہ و سپاہیانہ زندگی تھی رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ (میری روزی نیزے کے سایہ کے نیچے ہے) آپ کا زریں مقولہ ہے۔ آپ بہادروں کی عزت فرماتے تھے اور ان اللہ یحب الشجاع (بیشک اللہ بہادر کو عزیز رکھتا ہے) کہکر ان کے حوصلے بڑھاتے تھے۔ آپ نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہادری کو پسند کرتا ہے خواہ وہ سانپ یا بچھو کے مارنے ہی میں کیوں نہ کی جائے۔

خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بڑے بہادر اور نہایت دلاور بزرگ تھے۔ آپ نے کئی خطرناک موقعوں پر بے نظیر بہادری کا ثبوت دیا۔ یہانتک کہ سیدنا علی کرم اللہ جیسے بزرگ بھی جن کی شجاعت سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے آپ کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا بہادر تسلیم کرتے اور اَنھیں فرعون کی قوم کے ایمان داروں سے بہتر قرار دیتے تھے کہ ان لوگوں نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور حضرت ابو بکر صدیق نے اپنا اِیمان علانیہ ظاہر فرمایا۔

بہادر اور بزدل میں یہی فرق ہے کہ بہادر شخص ایڑیاں رگڑ رگڑ کے

جان دینا پسند نہیں کرتا۔ بہادر ایک بار مرتا ہے اور بزدل بار بار موت کا مزہ چکھتا ہے۔ بہادر کو میدان جنگ میں مرنا بستر پر مرنے سے بہت زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔ (”خدا کی قسم سر پر تلوار کے ہزار وار کھانا بستر پر مرنے سے زیادہ آسان ہے“)۔

حضرت خالد بن ولید کے نام سے تم واقف ہو گے۔ اُن کا لقب سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار تھا۔ اُن کی بے نظیر جرات اور بہادری کے بے مثل کارنامے تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ انھوں نے روم اور ایران کی لڑائیوں میں ایسی زبردست فتوحات حاصل کی تھیں کہ ان کا یقین آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب موت کا وقت آیا تو اُن کی آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے اور وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ افسوس میں نے کتنے میدانوں میں بہادری دکھائی اور کتنے زخم کھائے مگر اب بوڑھیوں کی طرح بستر پر پڑے پڑے جان دے رہا ہوں۔ موت سے تو کسی کو پناہ نہیں۔ مرنا ہی تھا تو کاش کہ نیکنامی کے ساتھ مرتا اور شہادت کی سعادت حاصل کرتا۔

انھیں حضرت خالد کا قول ہے کہ بزدل شخص جو بھاگنے میں اپنی جان کی پناہ خیال کرتا ہے اُس کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ آدمی کی بہادری اور اُس کی قوت واطمینان کی شان سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اگر کمزوری اور خوف و بزدلی ظاہر ہو تو ان کی دلیری بڑھ جاتی ہے۔ اِسی لیے زیادہ تر ڈرپوک اور بزدل لوگ تلوار کا لقمہ

بن جاتے ہیں اور بہادر و دلاور سپاہی اکثر صحیح سلامت آتے ہیں۔

سیدنا علیؓ کا دستور تھا کہ جس وقت گھمسان کی جنگ ہوتی تو جس طرف کافروں کا ہجوم زیادہ دیکھتے اُسی طرف ٹوٹ پڑتے اور بے خوف و خطر انتہائی بہادری سے لڑتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے کہا "آپ عجیب جرأت دکھاتے ہیں مگر اپنی حفاظت سے غفلت فرماتے ہیں" فرمایا "مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ اگر موت کا وقت آپہنچا ہے تو تقدیر سے ڈرنا بے سود ہے اور اگر ابھی زندگی باقی ہے تو اِس جرأت سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اِسی مضمون کو آپ نے اشعار میں بھی نظم فرمایا ہے جنکا ترجمہ اُردو نظم میں حسب ذیل ہے۔؎

دو دن ایسے سب کو پیش آتے ہیں اپنی زیست میں
جن میں ڈرنا موت سے انسان کو زیبا نہیں
ایک وہ دن جس میں قسمت میں لکھی ہو اُس کی موت
دوسرا وہ دن کہ جس میں وقت موت آیا نہیں
وقت اگر آیا نہیں تو موت آنے سے رہی
اور آپہنچا تو ڈرنے سے بھی ٹل سکتا نہیں

بہادر آدمی کے اَخلاق

بہادر آدمی کے اخلاق و عادات عام لوگوں سے بہت ممتاز ہوتے ہیں وہ بیہودہ عیش پرستی اور ناچ رنگ وغیرہ کے مشغلوں سے دور رہتا ہے اور ہمیشہ کمزوروں اور ضعیفوں کی مدد پر کمر بستہ رہتا ہے۔ بڑے بڑے ناموری کے

کام انجام دینا اور عظمت و احترام کی جد وجہد میں سختیاں برداشت کرنا اُس کا سب سے زیادہ محبوب و مرغوب شغل ہوتا ہے۔

عام آدمیوں کو جس قسم کے کھیل کود مرغوب ہوتے ہیں اُن سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ شروع ہی سے تیغ و خنجر سے دل بہلاتا اور دشمنوں کے خون سے ہولی کھیلنا پسند کرتا ہے۔ اُس کی سیرگاہ میدان جنگ ہے اور اُس کے ہتھیار اس کی تفریح کا سامان ہیں۔

یعقوب لیث کی نوجوانی کا ذکر ہے کہ ایک دن سیستان کے جوانوں میں بیٹھا ہوا دل بہلا رہا تھا۔ ابھی اُس نے بہادری و ملک گیری میں شہرت نہیں پائی تھی۔ البتہ اُمنگیں دل میں بے چین تھیں دوست آپس میں طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ لباس کا ذکر آیا تو ایک نے کہا ختا کا بنا ہوا اطلس سب سے اچھا ہے۔ دوسرے نے رومی ٹوپی کو ٹوپیوں میں سب سے بہتر بتایا۔ ایک بولا مکانوں میں گل و ریحان سے بھرے ہوئے باغ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ کسی نے پینے کی چیزوں میں خالص شراب کی تعریف کی تو کسی نے باجوں میں عود کے نغموں کو بہت دلکش قرار دیا۔ ایک دوست نے کہا محفلوں میں مصاحبت کے لئے خوبصورت اور نیک سیرت جوان موزوں ہوتے ہیں۔ غرض جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں، سب اپنی جیسی کہہ رہے تھے۔ یعقوب کی باری آئی تو لوگوں نے کہا کچھ تم بھی کہو تمھارے نزدیک کیا کیا اچھا ہے۔ یعقوب نے کہا "بہترین لباس زرہ ہے، سب سے اچھی ٹوپی خود ہے، بہترین مقام میدان جنگ ہے

اور سب سے نفیس شراب دشمنوں کا خون۔ سب سے زیادہ پاکیزہ سایہ نیزہ کا سایہ ہے، سب سے پیاری آواز جنگی گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بہترین مصاحب جنگ آزما اور بہادر سپاہی ہیں۔

امیرالمومنین حضرت علی نے اِس موقع کے مناسب چند اشعار فرمائے ہیں جنھیں اُردو میں اِس طرح نظم کیا گیا ہے۔ ؎

نہیں نرگس سے کوئی کام ہم کو گل و ریحاں ہیں اپنے تیغ و خنجر
اور اُس کا کاسۂ سر جام ہم کو عدو کا خون ہے اپنا بادۂ ناب

بہادر قوم کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ کبھی عاجزوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاتی۔ جب کوئی اس سے امان کا طالب ہوتا ہے تو نہایت فیاضی سے اُسے امان دیتا ہے اور پھر اس کی حفاظت کو اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ مسلمان فاتحوں نے ہمیشہ اِس بات کا خیال رکھا ہے کہ کبھی بوڑھوں، بیماروں، عورتوں، بچوں اور عاجزوں کو اُن کی وجہ سے صدمہ نہ پہنچے کھیتیاں اور فصلیں تباہ نہ ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ خصوصیت مسلمانوں میں اب بھی بڑی حد تک باقی ہے اور ترک جو شریفانہ بہادری میں ضرب المثل ہیں اس کی زندہ مثال ہیں۔

جفاکشی اور محنت و مشقت سے نہ گھبرانا بہادری کی بڑی شرط ہے جو شخص ذرا ذرا سی مصیبت میں گھبرا جائے اسے بہادری کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ بہادر وہی ہوتا ہے جو سختیاں اٹھانے میں ہمت و جرات

سے کام لیتا ہے اور کسی خطرے کو خیال میں نہیں لاتا۔

جب یعقوب لیث کو عروج ہوا اور اُس کی طاقت و قوت روز بروز بڑھنے لگی تو اُس نے خراسان فتح کرنے کا اِرادہ کیا۔ فوجیں تیار ہو چکیں تو ایک دن تمام ہتھیار بدن پر سجائے محل کے کوٹھے پر آیا۔ لشکر کے افسر اور بڑے بڑے سردار دربار کے دروازہ پر حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق نجومیوں نے حساب لگا کر اپنے علم کے لحاظ سے حکم لگایا کہ اس وقت گھڑی اچھی نہیں۔ تھوڑی دیر ٹھہرئے آٹھ گھنٹے کے بعد اچھی گھڑی آئے گی اُس وقت سفر مبارک ہوگا۔ یہ سُن کر یعقوب لیث اسی طرح ہتھیار لگائے ہوئے گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں آٹھ گھنٹے کوٹھے پر کھڑا رہا۔ جب مبارک گھڑی آئی تو کوٹھے سے اُتر کر سوار ہوا لوگوں نے پوچھا کہ "اِتنی دیر تک آپ کے دھوپ میں کھڑے رہنے کا کیا سبب تھا؟" یعقوب نے کہا "مجھے ایک بڑا کام سر انجام دینا ہے۔ اگر اِس موقع پر نزاکت اور سستی سے کام لوں تو مقصد حاصل ہونے میں سخت خلل پیدا ہو جائے گا اِس لیے میں اپنا اِستحان لے رہا تھا کہ دھوپ کی شدت میں وزنی ہتھیاروں کی تاب لا سکوں گا یا نہیں۔ یعقوب لیث کی اِنہی محنتوں اور بہادریوں کا پھل تھا کہ دنیا آج تک اس کا ذکر ادب و احترام سے کرتی ہے اور دنیا کے نامور فاتحوں میں شمار کرتی ہے۔

اِسی قسم کا ایک واقعہ تاریخ آلِ سامان میں لکھا ہے کہ جس

زمانہ میں ماکان نامی ایک شخص نے خراسان پر چڑھائی کرنا چاہی تو وہاں
کے بادشاہ امیر نصر بن احمد نے امیر علی نام کے ایک سردار کو فوج دیکر
سپہ سالار بنایا کہ اس شخص سے لڑنے جائے۔ روانہ کرنے سے پہلے
اُسے اپنے پاس بلایا اور جنگ وغیرہ کے متعلق دیر تک اُسے نصیحتیں
اور ہدایتیں کرتا رہا۔ جب تک دونوں میں گفتگو رہی امیر علی بار بار
بل کھاتا مگر زبان سے اُف نہ کرتا تھا۔ جب امیر نصر کے دربار سے باہر
گیا تو کرتے میں ایک بچھو چمٹا ہوا تھا اُسے نکالا۔ اس وقت تک بچھو
سترہ جگہ ڈنک مار چکا تھا۔ جب یہ خبر امیر نصر کو پہنچی تو امیر علی کو بلا کر کہا
"تم نے پہلے ہی بچھو کو کیوں نہ دفع کر دیا" اُس نے جواب دیا کہ اگر
میں آپ کی بندگی میں ایک بچھو کی تاب نہ لا سکوں تو تیر اور نیزہ و شمشیر
کے زخم کی تاب کیسے لاؤں گا؟ اِس کے بعد دشمن کے مقابلہ میں گیا
اور فتح پائی۔

بہادروں کے نزدیک موت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ وہ اُسے
ایک ایسی زندگی کا زینہ سمجھتے ہیں جسے کبھی فنا نہیں۔ ؎

مَوت اِک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دَم لے کر

اُفراسیاب بادشاہ اپنے لشکر سے کہا کرتا تھا "مَوت کے
حریص رہو تاکہ زندگی زیادہ پاؤ، مَرنے پر آمادہ رہو تاکہ عزّت و دولت
کا سَرمایہ ہاتھ آئے کیونکہ عزّت و بزرگی دَو ہی چیزوں سے حاصل ہوتی ہے

یا نیکنامی سے مر کر یا عزّت و بہادری سے زندہ رہکر" وہ بدنامی کی زندگی پر عزّت کی موت کو ترجیح دیتے ہیں "النار ولا عار" (آگ قبول ہے بے عزّتی قبول نہیں) ان کا شعار رہتا ہے۔ ؎

بہت اچھا تو یہ ہے مر کے اپنا نام کر جاؤں
کہ مرنا تو مقدر ہے بھلے کو آج مرجاؤں

بہادر کے لیے اصل قوت دِل کی قوت ہوتی ہے۔ بدن اگر کمزور ہو تو اس سے بہادری میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ایک عرب بہادر بوڑھا ہو گیا تھا مگر دل بہادری میں ویسا ہی جوان تھا۔ ایک بار گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو دو آدمیوں نے سہارا دے کر بٹھایا۔ ایک بے ادب آدمی سے نہ رہا گیا اس نے طعنہ مارا کہ ایسے آدمی سے کیا بنے گا جسے سوار کرنے کے لیے دو آدمی سہارا دیں۔ بوڑھے بہادر نے یہ بات سن لی اور جواب دیا کہ ہاں اسے سوار کرنے کے لیے تو دو آدمیوں کی ضرورت ہے مگر اتارنے کے لیے ایک ہزار آدمی درکار ہوں گے۔

بوڑھے تو خیر پھر بوڑھے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں بچوں نے بھی بہادری میں نام روشن کیا ہے۔ جنگ اُحد میں حضرت رافع بن خدیج اور سمرہ نام کے دو کم عمر لڑکے بھی شریک تھے جنھوں نے نہایت بہادری سے جنگ کی اور خوب نام پایا۔

بہادر لوگ خدا پر بھروسہ کرنے میں بہت مضبوط ہوتے ہیں اور اس کے حکموں کی اطاعت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اسی کی اطاعت انھیں

اپنے افسروں کی فرمانبرداری اور ضبط و نظم کی پابندی سکھاتی ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت خالدؓ بن ولید کے واقعات سے ملتی ہے کہ انھوں نے بیشمار فتوحات حاصل کرنے کے بعد بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم کی بے چون وچرا تعمیل کی اور حضرت ابوعبیدہؓ کے حق میں سپہ سالاری جیسی خدمت سے ہاتھ اُٹھا کر نہایت خوشی سے اُن کی ماتحتی میں رہنا گوارا کیا اور اتنے ہی جوش و خروش سے لڑتے اور کفار کو شکست دیتے رہے

حق گوئی بھی جراءت میں داخل ہے۔ بہادری کی ایک ہی صورت نہیں کہ آدمی صرف لڑکر بہادر ہونے کا ثبوت دے۔ بہادری کے بہت سے مواقع یوں بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ کسی زبردست کو غلطی پر دیکھکر اُسے ٹوکنا اور حق بات سمجھانا بھی بڑی جراءت کی بات ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں حق گوئی اور راستبازی کے بہت سے واقعات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جن میں مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر بڑے بڑے ظالموں کے منھ پر حق بات کہی اور اُن کے جور و ستم سے ذرا نہ ڈرے۔ اسی طرح اپنی قوم یا قبیلہ یا ملک والوں کو اُن کی خرابیوں سے آگاہ کرنا اور اُن کی بدسلوکیوں اور دھمکیوں کی پروا نہ کرکے حق کی حمایت پر اڑے رہنا بھی جراءت میں داخل ہے۔ جس کی مثالیں خدا پرست بزرگوں اور راستباز لیڈروں کے حالات میں بہت ملتی ہیں۔

جھوٹی اور سچی بہادری اب اِس مضمون کے آخر میں ہم تمھیں جھوٹی

اور سچی بہادری کا فرق سمجھائے دیتے ہیں تاکہ تم ان دونوں میں آسانی سے تمیز کر سکو۔

جھوٹی بہادری میں اِس قسم کے کام داخل ہیں جو کسی غرض، لالچ یا خاص سبب سے کیے جاتے ہیں۔ جیسے چوروں اور ڈاکوؤں کا سزائیں برداشت کرنے میں مستقل رہنا، کسی کا فقر و فاقہ سے تنگ آکر خودکشی کر لینا کسی شخص کا کسی مرغوب یا محبوب چیز کے اِنتہائی شوق میں جان پر کھیل جانا یا بادشاہ کے خوف سے مجبور ہو کر بہادروں کے سے کام کرنا۔ یہ سب جھوٹی بہادری کی مثالیں ہیں۔

سچی بہادری ہر قسم کی غرض اور دکھاوے یا نام نمود سے پاک ہوتی ہے۔ سچا بہادر ہمیشہ اِس لیے بہادری سے کام لیتا ہے کہ وہ حقیقت میں بہادری کو ایک شریفانہ اور لایق تعریف صفت خیال کرتا اور اُسے مردانگی کا جوہر سمجھتا ہے۔ تم کو بھی چاہیے کہ اپنے باپ دادا یا پچھلے نامور بزرگوں کی طرح بہادر بنو اور سچے بہادر بن کر دنیا اور آخرت میں ثواب کے حقدار ثابت ہو۔

اِستقلال

فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ

(پس جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ثابت قدم رہو)

اِستقلال و ثابت قدمی دین و دُنیا دونوں میں کامیابی کی پہلی شرط ہے خواہ آخرت کے کام ہوں یا دُنیا کے کوئی ایسے نہیں جو اِستقلال کے بغیر پُورے ہو سکتے ہوں۔ اور اَدہورے کام تو اُدھورے ہی ہوتے ہیں۔ اُن سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فرض کرو ایک شخص خدا کی محبت میں کافر سے مسلمان ہوتا ہے تو جب تک وہ اِسلام کے طریقوں پر ثابت قدم نہ رہے اور پوری دلجمعی کے ساتھ اللہ کے حکموں کو نہ مانے وہ پکّا اور سچّا مسلمان کیسے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جب دُنیا کا کوئی کام شروع کیا جاتا ہے تو اُس میں بھی محنت و اِستقلال سے کام لینا پڑتا ہے جب تک وہ ثابت قدمی نہ دکھائے کام پُورا ہونا محال ہے۔

اِستقلال کی مثالیں دُنیا کے ہر کارخانے میں بکثرت ملتی ہیں۔ اِنسان تو اِنسان جانوروں سے بھی اِس کا سبق ملتا ہے کہ جو کام بھی کرو اُس میں

مشقت سے نہ گھبراؤ ورنہ وہ کام نہ ہو سکے گا۔ مکڑی کا جالا تننا، چیونٹی کا دانہ دانہ جمع کرنا، بئیے کا گھونسلہ بنانا وغیرہ وغیرہ یہ سب اسی استقلال کے فطری نمونے ہیں۔ ان نمونوں میں شہد کی مکھی سے محنت و ثابت قدمی کا جیسا مزیدار اور میٹھا سبق ملتا ہے اس کی لذت شہد کی صورت میں تم نے بھی بارہا چکھی ہو گی۔

اِس کے بعد اِستقلال کی مثالوں کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمارا پاک اور سچا مذہب اسلام خود اسی استقلال اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔ اول تو جتنے پیغمبر گزرے ہیں ان سب نے اسلام کے عقیدہ کے مطابق اِسلام ہی کے لیے بے نظیر اِستقلال کا ثبوت دیا ہے۔ دوسرے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی اِس بابرکت صفت کا نہ بھولنے والا سبق ہے اگر آپ اِسلام کی اِشاعت کے لیے طرح طرح کی مشقتیں نہ اُٹھاتے اور ہر قسم کی قربانیاں نہ دیتے تو اِسلام کو اِتنی ترقی کیسے میسر ہوتی۔ آپ کے جاں نثار صحابہ بھی اِس معاملہ میں آپ کے قدم بہ قدم تھے۔ ان سب بزرگوں نے حق و صداقت کے لیے اِنتہائی اِستقلال کا ثبوت دیا۔ اگر یہ بھی عام لوگوں کی طرح ذرا ذرا سے صدموں سے گھبرا جاتے تو آج دنیا کے اس سرے سے اِس سرے تک اسلام کا بول کیسے بالا ہوتا۔

مولانا حالی نے سچ کہا ہے۔ ؎

ہلاتے نہ اگلے اگر دست و بازو	جہاں عطرِ حکمت سے ہوتا نہ خوشبو
نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو	نہ حق پھیلتا ربعِ مسکوں میں ہر سو

حقایق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اِسرار مکتوم رہتے

اِستقلال سے کام لینے والا شخص جس بات کی ٹھان لیتا ہے اُسے پُورا کیے بغیر دَم نہیں لیتا۔ ایک مرتبہ عزم کر لینے کے بعد پھر کوئی کتنا ہی بہکائے اس کی محنت و مشقت میں فرق نہیں آتا وہ پوری دلچسپی اور ارادہ کی مضبوطی کے ساتھ اپنے کام پر اڑا رہتا ہے۔ مولانا حالی نے ایسے ہی لوگوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ؎

بڑھا کر قدم پھر پلٹتے نہیں یہ
جاتے ہیں جب پاؤں ہٹتے نہیں یہ
جہاں بڑھ گئے بڑھ کے گھٹتے نہیں یہ
گئے پھیل جب پھر سمٹتے نہیں یہ
مہم بن کیے سر نہیں بیٹھتے یہ
جب اُٹھتے ہیں اُٹھ کر نہیں بیٹھتے یہ

غور سے دیکھو تو دُنیا میں جتنے بڑے چھوٹے کام ہوتے ہیں اُن میں اِستقلال کی ضرورت ہے۔ سب سے زیادہ اِستقلال علم حاصل کرنے میں درکار ہے۔ اگر طالب علم زمانہ تعلیم میں ثابت قدمی نہ دکھائیں تو دس دس پندرہ پندرہ سال تک پڑھنا اور عالم فاضل ہو کر مدرسوں سے نکلنا دشوار ہو جائے۔ اگر سپاہی حوصلہ اور اِستقلال سے کام نہ لیں تو قواعد پریڈ وغیرہ کیسے سیکھیں اور میدان جنگ میں بہادری دکھانے اور بڑے عہدوں پر ترقی کرنے کی کیا صورت ہو۔ یہی حال اور تمام کاموں کا ہے۔

یہ جو تم دنیا میں بڑی بڑی لاجواب عمارتیں، سڑکیں اور طرح طرح کی شہری ترقیاں دیکھتے ہو یہ سب تمھیں استقلال ہی کا سبق دیتی ہیں۔ اُن میں سے بہت سے کام ایسے ہیں جو مدتوں میں جاکر پورے ہوئے ہیں۔ اُن کی تیاری میں عمریں صرف ہوگئی ہیں۔ تب وہ دنیا کو آج اِس شکل میں نظر آرہی ہیں۔ یہی حال ایجادوں کا ہے۔ جن لوگوں نے طرح طرح کی مفید اور کارآمد چیزیں ایجاد کی ہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دو چار دن میں ایجاد ہوگئی ہیں۔ نہیں اُن میں سے بہت سی ایسی ہیں جن کی تکمیل موجدوں کو برسوں صرف کرنا پڑے اور بڑے اِستقلال سے کام میں لگے رہے تب اِس لائق ہوئے کہ اُن کی ایجاد کی ہوئی چیزیں سب کے کام آسکیں۔ ریل، موٹر، تار، ٹیلیفون، ریڈیو سینے کی مشین ہوائی جہاز وغیرہ ان سب کی تکمیل اسی طرح ہوئی۔ خاصکر ہوائی جہاز پر تو اِن ایجادوں میں سب سے زیادہ وقت صرف ہوا۔

عالموں اور فاضلوں نے خصوصاً دین کے عالموں میں علم حدیث جاننے والوں نے برسوں گزار کر کتابیں لکھیں اور اپنے بے مثل اِستقلال سے دنیا والوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سرمایہ اکٹھا کیا۔ بعض حدیث کے زبردست حافظوں (حدیثوں کو زبانی یاد کرنے والوں) نے چالیس چالیس پچاس پچاس برس تک محنت کی اور بے اِنتہا مشقتیں اُٹھا کر حدیثیں جمع کی ہیں۔

اِن کے علاوہ اور مصنفین نے بھی اپنی عمریں ایسے ہی کاموں میں

گزار دی ہیں اور اپنی محنت کی نہ مٹنے والی یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنھوں نے پانچ پانچ سو سے زیادہ کتابیں لکھیں اور اُن سے کم تعداد میں کتابیں لکھنے والوں کی تو کوئی گنتی نہیں۔ یہ سب اُن کے انتھک استقلال ہی کا پھل ہے کہ دُنیا میں علم و فن کے دریا بہ رہے ہیں۔

جو لوگ اپنی تقریر کی قوت سے لوگوں میں لیڈری کا درجہ حاصل کر چکے ہیں اُن میں بھی بعض ایسے ہیں جنھوں نے اسی ثابت قدمی کی بدولت دُنیا سے اپنا لوہا منوایا اور پھر ایسی عزّت حاصل کی کہ آج بھی اُن کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

یونان کا مشہور خطیب یا مقرر ڈیمستھینوس ابتدا میں بالکل تقریر نہ کر سکتا تھا۔ اُس نے برسوں دریا کے کنارے کھڑے رہکر تنہائی میں تقریر کرنے کی مشق کی اور آخر میں اتنا کمال پیدا کیا کہ یونان میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔

انگلستان کا لارڈ بیکنس فیلڈ جب پہلی بار دارالعوام میں تقریر کرنے کھڑا ہوا تو لوگوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ مگر چونکہ اس میں عزم و استقلال کی صفت موجود تھی اُس نے بددل ہونے کے بجائے پورے حوصلہ کے ساتھ کہا "ایک وقت آئے گا جب تمھیں میری تقریر سننی پڑے گی"۔ اِس کے بعد وہ تقریر میں کمال پیدا کرنے پر تل گیا اور ایک دن انگلستان کا بہترین مقرر ثابت ہوا۔

اِس قسم کی مثالیں ہندوستان کے لیڈروں میں بھی کم نہیں ملتیں خواہ وہ مسلمان ہوں، انگریز ہوں یا ہندو۔ ہر قوم میں اِس طرح کے استقلال کا ثبوت دینے والے مِل جائیں گے۔ یہاں ہم اپنے زمانے کے دو مشہور مسلمان لیڈروں کا نام لینا کافی سمجھتے ہیں۔ اُن میں سے ایک قائدِ اعظم محمد علی جناح ہیں جو انگریزی خطابت یا تقریر میں اپنی نظیر نہیں رکھتے دوسرے قائدِ مِلّت نواب بہادر یار جنگ ہیں جنھوں نے آج کل کے اردو مقررین میں نہایت ممتاز جگہ حاصل کر لی ہے۔

مصنف و مقرر کے بعد شاعر اور مصوّر وغیرہ کا کام بھی بڑا اِستقلال چاہتا ہے۔ شاعر بڑی مدت کے بعد صحیح معنوں میں باکمال شاعر بنتا ہے اور بعض اوقات ایک ایک شعر کے لیے اسے کافی خونِ جگر پینا پڑتا ہے۔ امیر مینائیؔ کہتے ہیں۔ ؎

خشک ہو جاتا ہے سیروں تن شاعر کا لہو
تب نظر آتی ہے اِک مصرعِ تر کی صورت

اِسی طرح مصوّر اور نقاش کو بھی اپنے فن میں کمال حاصل کرتے کرتے برسوں لگ جاتے ہیں جبھی تو شاعروں کے بعض دیوان یا کلام کے مجموعے اور نقاشوں کے بعض نقوش ایسے ہیں جنھیں دنیا سر آنکھوں پر جگہ دیتی ہے اور ان کی تعریف سے کبھی نہیں تھکتی۔

غرض اِنھی کاموں پر موقوف نہیں ہماری زندگی کی ضرورتوں میں سبھی کام ایسے ہیں جن میں اِستقلال کے بغیر گاڑی چلنا محال ہے۔ اگر

کاشتکار کھیتی باڑی میں، معمار معماری میں، درزی سلائی کے کام میں صبر کے ساتھ محنت نہ کیے جائے تو دنیا ایک دن کے لیے بھی اپنے حال پر رہ سکتی ہے۔ ادنٰے سے ادنیٰ کام بھی کچھ استقلال چاہتا ہے۔ انگریزی کی ایک مشہور مثل ہے کہ " روم ایک دن میں نہیں بنا تھا" اس کا یہی مطلب ہے کہ بڑے کاموں کے لیے بڑا استقلال درکار ہے۔ ورنہ خالی باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

عقلمندوں نے استقلال یا ثابت قدمی کی دو نشانیاں لکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کام شروع کرے اُسے پورا کرنا فرض و واجب جانے۔ دوسرے یہ کہ جو بات کہہ گزرے جب تک ممکن ہو اس کے خلاف زبان پر بات نہ لائے۔

استقلال کی ضرورت ویسے تو سبھی کو ہے مگر بادشاہوں اور عالی مرتبہ لوگوں میں خصوصیت سے اس صفت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ اپنے حکموں پر قائم نہ رہیں اور ذرا ذرا سی بات میں اپنی بات سے پلٹ جایا کریں تو کسی کے دل پر ان کی عزت و وقار کا سکہ نہ بیٹھے گا۔ لوگ انھیں کم حوصلہ اور چھچھورا الگ خیال کریں گے۔

تاریخ میں سلطان رضی نام کے ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک دن وہ غزنی کے میدان سے گزر رہا تھا۔ اس موقع پر ایک حمال کو دیکھا کہ بڑا وزنی پتھر کندھے پر اُٹھا کر بڑی مشقت کے ساتھ لے جا رہا ہے۔ یہ بادشاہ بڑا رحمدل اور مہربان تھا اس لیے اُسے ترس آیا اور اُس نے حمال سے کہا " اے حمال پتھر کو رکھ دے "۔ حمال نے حکم کی تعمیل کی اور دا

اسی میدان میں ڈال دیا۔ اِس کے بعد یہ پتھر مدتوں وہاں اسی طرح پڑا رہا۔ جب اس مقام پر گھوڑے پہنچتے تو اُس کی وجہ سے بدکتے اور شوخی کرتے تھے۔ بعض خاص امرا نے موقع پا کر سلطان کو اِس پتھر کا پتہ نشان دیکر صورتِ حال بیان کی اور عرض کی کہ حکم ہو تو پتھر کو اُسی حمال سے اس میدان سے اُٹھوا لیا جائے کیونکہ وہ پتھر اتنا وزنی ہے کہ اُس حمال کے سوا اسے کوئی دوسرا اُٹھا بھی نہیں سکتا۔ یہ سُن کر سلطان رضی نے جواب دیا کہ چونکہ ہم ایک بار حمال کو اُسے رکھنے کا حکم دے چکے ہیں۔ اِس لیے اب اگر اُٹھانے کا حکم دیں گے تو لوگ اُسے ہماری بے ثباتی پر محمول کریں گے اور ہمارا وقار جاتا رہے گا اِس لیے اب اُسے وہیں پڑا رہنے دو۔" تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ پتھر نہ صرف سلطان کی زندگی بھر اسی میدان میں پڑا رہا بلکہ اُس کی اولاد نے بھی اُسے باپ کی بات رکھنے کے لیے نہ اُٹھوایا۔ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

سخن شاہ شاہِ ہر سخن است — بہمہ حال پاس باید داشت
تا نگردد نقیض آں ظاہر — باید آں را بلوحِ دل بنگاشت

یعنی

باتوں کی بادشاہ ہے ہر بادشاہ کی بات — اس کا لحاظ چاہیئے ہر حال میں لیے
ایسا نہ ہو کہ بعد میں کہہ جائے برخلاف — نقش اس کو دل پہ کرے زباں سے جو کچھ کہے

بچو! تمھیں اِستقلال کی خوبیاں سمجھانے کے لیے اِتنی مثالیں بہت ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تم پوری ہمت کے ساتھ اِن

مثالوں پر عمل کرنے کی کوشش کرو گے اور تم بھی ایک نہ ایک دن اپنی محنت ومشقت اور استقلال سے دنیا میں بڑے آدمی بن کر آفتاب کی طرح چمکو گے۔